بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنویر المصابیح لرکعات التراویح

نماز تراویح بیس ۲۰ رکعات سُنّت مؤکدہ کے وجوب پر

حضرتِ علّامہ میرواعظِ کشمیر
مولٰنا محمّد یوسف شاہ نور اللہ مرقدہٗ

کی

بلند پایہ تحقیقی تصنیف

DATE LABEL

حرفِ اوّل

خدا رحمت کی بارش مرحوم میر واعظ کشمیر پر برسائے۔ میر واعظ خاندان کا ممتاز و معروف عالم دین اور مردِ مؤمن حضرت مولینا محمد یوسف شاہ رحمۃ اللہ علیہ جو نورِ اسلام کے لقب سے ملقب تھے۔ آپ کی بے مثال دینی و ملی خدمات کا اعتراف آپ کے معاصر علماء و فضلاء کرتے چلے آرہے ہیں۔

آپ ایک طرف بلند پایہ مفسّر قرآن اور محدّث تھے۔ تو دوسری طرف مصنف و مؤلف بھی تھے۔ آپ نے اپنی حیات طیّبہ میں کئی علمی تصانیف کے علاوہ ایک نادر علمی تصنیف تنویر المصابیح تحریر کرکے احادیث صحیحہ اور مستقل دلائل کی روشنی میں بیس رکعات نماز تراویح کے وجوب کو ثابت کیا ہے

عرصہ سے یہ علمی رسالہ نایاب تھا۔ محترم بشیر احمد شاہ نے کہیں سے یہ نسخہ حاصل کیا ہے، اور اسے اہتمام سے شایع کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مؤلف اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور عوام کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(مولانا) **احمد سعید نقشبندی**

امام حی جامع مسجد سرینگر

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

اس اُمّت اور ملّت کی خصوصیات میں سے یہ بھی ایک اہم خصوصیت اور امتیاز ہے کہ تاریخ
کے ہر دور میں ایسی منتخب روزگار علمی اور فکری شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں جن کے وجودِ مسعود سے قوم و ملت
کی زبردست اصلاح اور خدمت ہوتی ہے۔ اور جو اپنی ذات سے مستقل ایک ادارہ
ہوتے ہیں جن کی زندگی کا بنیادی مقصد دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت، خدمتِ خلق اور قرآن و سنّت کی ترجمانی
ہوتا ہے۔ کائنات انسانی کے ان ہی روشن فکر اور ممتاز ہستیوں میں وادیٔ کشمیر کے بطلِ جلیل، مردِ حقانی
محقق زماں، مفسرِ قرآن حضرت علامہ میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہ رح کی بلند قامت ذات ہے۔
جنہیں قدرت نے تقریر و تحریر دونوں قسم کی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اور کوئی شبہ نہیں حضرت مولانا
نے پوری زندگی اپنی ان صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ فرمایا ۔۔۔ زیر نظر رسالہ "تنویر المصابیح"
کا شمار بھی مولانا کے ان علمی اور تحقیقی رسالوں میں ہوتا ہے۔ جس میں قرآن و
حدیث کی روشنی میں مستند علمی اور محکم دلائل کے ساتھ اپنے دعوے کو ثابت کیا گیا ہے۔
دورِ حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اسے دوبارہ طبع کر کے
منظرِ عام پر لایا جاتا۔ چنانچہ ہمارے مخلص دوست محترم بشیر احمد شاہ نے محض رضائے الٰہی کی
خاطر اس کی دوبارہ اشاعت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو اُمت
کے لئے نفع بخش بنائے۔ اور ہم سب کو عمل کی توفیق ارزانی فرمائے آمین والسلام

۳۰ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

محمد سعید الرحمٰن شمس

مدیر "نصرۃ الاسلام" سری نگر کشمیر

فہرست مضامین کتاب تنویر المصابیح لرکعات التراویح

محدثین کا اتفاق۔

جمع بین الاحادیث میں محدثین کے اقوال نواب صدیق حسن خان نے عمل اہل مکہ کو امام قسطلانی سے نقل کیا ہے

حضرت امام شافعی کے نزدیک تراویح میں بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت امام احمد حنبل کے نزدیک بھی تراویح میں بیس رکعتیں ہیں۔

نقل مذاہب محدثین متعلق رکعات تراویح کسی محدث نے آٹھ رکعت کو تراویح میں اختیار نہیں کیا۔

حضرتِ علی مرتضیٰ رضؓ نے بھی بیس رکعتیں تراویح پڑھنے کا امر کیا ہے۔

حضرتِ عبداللہ ابن مسعود رضؓ چوبیس رکعتیں تراویح پڑھا کرتے تھے۔

مناقب عبداللہ بن مسعود یا احادیث و آثار

اتباع صحابہ بموجب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب ہے۔

حضرتِ عمر بن عبدالعزیز رحؒ کا ارشاد تراویح کے بیس رکعت ہونے پر اجماع صحابہ کا منعقد ہونا دلیل ہے کہ عدد ان کے پاس نبی کریم سے محفوظ ہے۔

تراویح کے بیس رکعت ہونے کو بدعت قرار دینا سراسر جہل و گمراہی ہے۔

تابعین میں سے کون کون حضرات تراویح میں بیس رکعت کے قائل ہیں۔

علامہ ابن قیم رحؒ بیس رکعت کے قائل ہیں

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ تراویح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی عدد مقرر شدہ ہے وہ خطا پر ہے

نواب صدیق حسن خان صاحب جمہور سے طریق ادائی نماز تراویح نقل کرتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں۔

حضرتِ عمر رضؓ کو احداثِ بدعت میں نہایت احتیاط تھی۔ اس کے ثبوت میں شواہد و دلائل۔

صاحب امداد السنۃ فرماتے ہیں کہ تعیین عدد رکعت ان امور میں سے ہے کہ قیاس کو اس میں دخل نہیں۔

ختم رسالہ تراویح و شروع ضمیمہ

متعلق ترجمہ خطبہ جمعہ

استفتاء متعلق ترجمہ خطبۂ جمعہ جواب استفتاء

خطبہ کا ترجمہ پڑھنا بلاشک بدعت ہے جوکہ خیر القرون کے بعد پیدا ہوا ہے۔

خلفائے راشدین کے عہد میں بہت سے لوگ خطبہ کی مجالس میں ہوا کرتے تھے باوجود اس کے انہوں نے ان کے سمجھانے کے لئے ترجمہ نہیں کیا۔

جو دلیل آج کل کے لوگوں نے جواز ترجمہ کے لئے گھڑلی ہے اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ طریق تبلیغ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا نہ خلفائے راشدین کو (العیاذ باللہ)

عربی زبان کے شعار اسلام ہونے کی وجہ سے علمائے نے خطبہ کے عربی زبان میں ہونے کو شرط صحت خطبہ قرار دیا ہے

تنویر المصابیح لرکعات التراویح کا مکمل اردو ترجمہ عربی حصہ کے بعد ملاحظہ فرمایئے

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی شرح موطاء میں فرماتے ہیں کہ خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام کا عمل شرقاً غرباً اسی پر ہوتا چلا آیا ہے۔

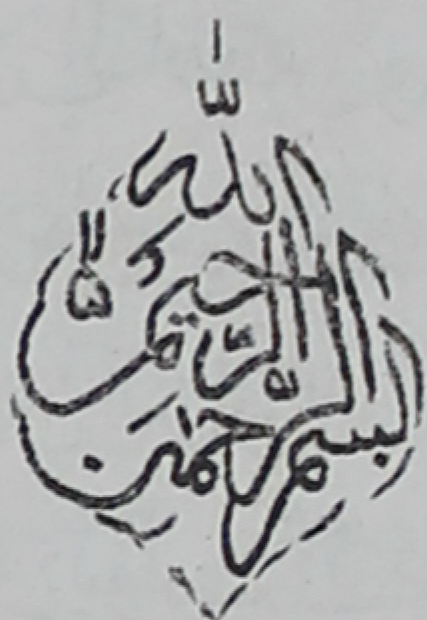
خطبہ کے ترجمہ پڑھنے میں ایک اور خرابی لازم آتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص عربی اچھا پڑھ سکتا ہو وہ پھر عجمی زبان استعمال میں نہ لاوے۔ اس سے نفاق پیدا ہوتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگرچہ جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

یہ وہم ہرگز کوئی شخص نہ کرے کہ نبی کریم چونکہ عجمی زبان نہ جانتے تھے اس لئے ترجمہ نہ کرتے تھے۔

جس طرح خطیبوں کو تفہیم و تعلیم کا ارشاد ہوا ہے اسی طرح جہلا کو علم دین سیکھنے کا ارشاد ہوا ہے آیات قرآنی سے خطبہ کا ترجمہ نہ کرنے کا ثبوت ترک جہل اور اتباع سنت کی وصیت



الحمد لله الذی فضل شهر رمضان علی سائر الشهور بمزید الشرف والاکرام وانزل فیه الکتاب علی سید الخلق صاحب المقام وجعل صیامه علینا فریضة وقیامه تطوعا وعم فیه بالانعام والصلوٰة والسلام علی رسوله محمد المبعوث الی کافة الانام وعلی آله الکرام واصحابه العظام الذین احیوا سنته واوضحوا طریقته فہم نجوم الهدی ومصابیح الظلام [امابعد] فیقول العبد الضعیف العائذ بالله اللطیف من موجبات التلهف والتعسف المدعو بمحمد یوسف الحنفی الکشمیری تجاوز الله عن ذنبه الخفی والجلی ابن العالم الماهر فی المعقول والمنقول الجامع بین الفروع والاصول مولنا الحافظ الواعظ غلام رسول برد الله مضجعه ورفع قدره ان قیام اللیل فی رمضان سنة ثابتة بالاحادیث الصحیحة عند الفقهاء والمحدثین وانه غیر التهجد عند الاکثرین الا انهم اختلفوا فی توقیت رکعاته فیما بین ثمان وعشرین وست وثلثین واربعین . وان الراجح المعمول فیه عند ائمة الدین من المجتهدین والمحدثین عشرون رکعة کما سیظهر لذی الفهم السلیم فی هذا الجزء اللطیف الثمین . وقد انکر ذلک فی هذا الزمان شرذمة قلیلة من العوام الذین یرغبون عن اتباع السلف الصالحین ویقلدون لبعض المتحدثین المعاصرین علی غیر بصیرة تقلیدا جامدا وما هم بمن المجتهدین المتبعین

الا كعصافير فما فوقها بجنب الناطقين وجعلوا يصرون على ان قيام رمضان
انما هو ثمان ركعات والزائد عليها بدعة بلا اصل يعتمد عليه فى الاثبات
وبعضهم ينزل منه ويقول ان الثمان ثابتة بالسنة والزائد وان ثبت فهو بدعة
عمرية [العياذ بالله] فلما اورثوا بتلك الاقوال الشبهة فى بعض كسالى
القوم حتى تخلفوا معهم عن القيام فى شهر الصيام كتبت فى العام الماضى
شيئاً مختصرا فى هذا الباب مجيبا لاستفتاء بعض الاحباب موضحا بان القول
المعتمد الصحيح انما هو عشرون ركعة فى صلوة التراويح - فاستحسنه الناظرون
المنصفون والحوا على ان اجمع لهم اقوال الائمة والمحدثين و الفقهاء المتقدمين من العلماء العاملين
ليكون تبيانا لمن يريد التبيان فرغبنى بعض الكرام فى انجاح مامولهم واعطاء مسئولهم
فما وسعنى الا الاجابة لذلك فانتصبت لتاليف هذه الرسالة التى سميتها تنوير
المصابيح لركعات التراويح بسطت القول فيها بسطا شافيا وحررت الدلائل
تحريرا وافيا والله اسال ان ينفع به العباد ويهديهم سبيل الرشاد وسالحق
بها ضميمة فى تحقيق الخطبة من انها لا تكون الا بالعربية وما اخترعوا فيها من
الترجمة لها وتناشد الاشعار والقصص فيها بدعة وخلاف السنة بلا مرية
فالآن اشرع فى المطلب الاصلى متوكلا على الله العلى واقول ان اصل قيام
رمضان ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم بالاحاديث الصحيحة فمنها ما
اخرجه البخارى عن ابى هريرة رضى الله عنه انه قال سمعت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يقول من قام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومنها
ما اخرجه البيهقى رحمه الله عن سلمان الفارسى رضى الله عنه انه قال خطبنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم الى اخر الحديث وقال فيه جعل الله صيامه فريضة وقيام ليله

تطوعا قال الحافظ ذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح ومنها
ماروہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ذر رضی اللہ
عنہ انہ قال صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقیم بنا شیئا من الشھر حتی بقی سبع
فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل فقلت یا رسول اللہ لو نفلتنا قیام ھذہ اللیلۃ فقال
ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام تلک اللیلۃ فلما کانت الرابعۃ
لم یقیم بنا فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ و نساءہ والناس فقام بنا حتی حشینا ان
یفوتنا الفلاح قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم یقیم بنا بقیۃ الشھر واستدل
بھذا علی ان قیام رمضان فی المسجد بالجماعۃ افضل من قیامہ فی البیوت منفردا
وبہ قال الشافعی وجمھور اصحابہ وابوحنیفۃ واحمد وبعض المالکیۃ وھو
المروی عن علی بن ابی طالب وابن مسعود وابی بن کعب وسوید بن غفلۃ وغیرھم
ومنھا ماروہ البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خرج لیلۃ من جوف اللیل فی المسجد وصلی رجال بصلوتہ فاصبح الناس
فتحدثوا فاجتمع اکثر منھم فصلی فصلوا معہ فاصبح الناس فتحدثوا فکثر
اھل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی بصلاتہ فلما
کانت الرابعۃ عجز المسجد عن اھلہ حتی خرج لصلوۃ الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس
فتشھد ثم قال اما بعد فانہ لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم
فتعجزوا عنھا فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والامر علی ذلک فدل ذلک
علی انہ یعلم یکن خوف الافتراض لدام بھم علی ذلک ومنھا ماروہ بن ماجۃ
عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی خطبۃ
التی خطبھا فی اخر یوم من شعبان کتب اللہ علیکم صیامہ وسننت لکم قیامہ

لہ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ امام کے فارغ ہونے سے پہلے آٹھ رکعت پڑھ کر ہی چلے جاتے ہیں وہ اس ثواب سے محروم رہتے ہیں

واستدل به وبما قبله على ان التراويح والتهجد صلاتان مستقلتان متمايزتان لان التهجد كان فرضا فى بدء الاسلام ثم جعله الله تطوعا على المسلمين وذلك قبل الهجرة كما يدل عليه ما رواه مسلم عن مسهر بن هشام انه قال لعائشة رضى الله عنها انبئنى عن قيام رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت الست تقرأ يايها المزمل قلت بلى قالت فان الله عزوجل افترض قيام الليل فى اول هذه السورة فقام نبى الله صلى الله عليه وسلم واصحابه حولا وامسك الله خاتمتها اثنى عشر شهرا فى السماء حتى انزل الله تعالىٰ فى اخر هذه السورة التخفيف فصار قيام الليل تطوعا بعد ان كان فريضة الخ- وقال المحشى شيخ زاده فى حاشيته على البيضاوى والمعروف من كلام العرب ان الهجود عبارة عن النوم بالليل يقال هجد فلان اذا نام بالليل ثم راينا فى عرف الشرع انه يقال لمن انتبه بالليل من نومه وقام الى الصلوة انه متهجد وجب ان يقال سمى ذلك متهجدا من حيث انه القى الهجود عن نفسه انتهى- وفى التفسير الثمرات اليانعة والتهجد هو القيام بعد الليل روى هذا عن علقمة والاسود وعليه اكثر المفسرين انتهى ونقل الامام الرازى عن الازهرى قائلا اما الازهرى فانه توسط فى تفسير هذا اللفظ وقال المعروف فى كلام العرب ان المهاجد هو النائم ثم راينا فى عرف الشرع يقال لمن قام من النوم الى الصلوة انه متهجد فوجب ان يحمل هذا على انه سمى متهجدا لالقائه الهجود عن نفسه انتهى- وقال العلامة ابو السعود فى تفسيره فتهجد به اى ازل والق الهجود اى النوم فانه صيغة التفعل يجئ للازالة كالتحرج والتحنث والتاثم ونظائرها انتهى- وهذا كله يدل على ان التهجد غير التراويح وانه لا يحصل الا بعد النوم- والتراويح لم يشرع الا قبل

النوم کما یدل علیه حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ المذکور۔ وایضا التراویح لم یکن فرضا فی وقت من الاوقات وانما سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما فرض صیام رمضان کما یدل علیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننت لکم قیامہ فعلم ان التراویح غیر التہجد مختصۃ برمضان۔ والتہجد غیرها یستوی فی رمضان وغیرہ ویدل علی ھذا حدیث ابی سلمۃ بن عبد الرحمن ایضا انہ سال عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشر رکعۃ الخ وھکذا شان التہجد اعنی لا اختصاص لہ برمضان

تحقیق عدد رکعات التراویح

اعلم رحمک اللہ انہ لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عدد معین وما ورد فلا یخلو عن ضعف ومقال کما سیاتی عنقریب فانتظرہ واما الاستدلال بحدیث عائشۃ الذی اخرجہ البخاری علی کون التراویح ثمان رکعات فلا یصح اصلا لانا قد ذکرنا انہ لا یتعلق بامر التراویح بل ھو مسوق لبیان عدد رکعات صلوۃ لا اختصاص لہ برمضان وھو التہجد فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلیھا جمیع السنۃ فی رمضان وغیرہ فلا یقوم الحدیث حجۃ ودلیلا علی تعیین ھذا العدد فی التراویح وقال القسطلانی واما قول عائشۃ رضی اللہ عنہا ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشر رکعۃ فحملہ اصحابنا علی الوتر۔ اقول لعل البخاری اخر حدیث عائشۃ المذکور فی باب التراویح عن غیرہ لعدم التنصیص فیہ علی رکعات التراویح وانما اوردہ مناسبۃ واطرادا واللہ سبحانہ

وتعالى اعلم۔ ولو سُلِّم انه يتعلق بالتراويح الشامل على التهجد ايضا لما يثبت انه كان على سبيل الكلية دائما ومستمرا. بل يحكم انه كان اكثريا او احيانا والا فيعارضه ما رواه مالك رحمه الله عن عائشة رضى الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بالليل ثلاث عشرة ركعة ثم يصلى اذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين۔ وما رواه مُسلمٌ عنها رضى الله عنها انها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فى رمضان ما لا يجتهد فى غيره۔ وما رواه البيهقى رحمه الله عنها رضى الله عنها انها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل رمضان لم يأت فراشه حتى ينسلخ۔ فان هذه الروايات دالة على انه صلى الله عليه وسلم كان كثير المجاهدة فى العبادة فى رمضان من غيره۔ وان سلم المساوات فى جميع السنة لما يحصل معنى كثرة الاجتهاد فى رمضان فافهم ، واما الاستدلال على كون التراويح ثمان ركعات بما رواه الطبرانى فى المعجم الصغير ومحمد بن نصر فى قيام الليل وابن حبان وابن خزيمة فى صحيحيهما عن جابر رضى الله عنه انه قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فى شهر رمضان ثمان ركعات ففى اسناده لين لان مدار جميع اسناده على عيسى بن جاريه۔ وهو راو ضعيف قد تكلم فيه ائمة الحديث كما قال الذهبى قال ابن معين عنده مناكير وقال النسائى هو منكر الحديث ومتروك۔ وقال ابوداؤد هو منكر الحديث وقال الحافظ فى التقريب فيه لين۔ اقول ومن كان ضعيفا مثل هذا كيف يسوغ الاحتجاج بحديثه. كما قال الشيخ تقى الدين ابن دقيق العيد الشافعى

ان منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترک لحدیثه واما استدلال الجمهور علی کون التراویح عشرین رکعة بما رواه شیخ البخاری ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفه وعبد بن حمید الکشی فی مسنده والبغوی فی کتابه والطبرانی فی معجمه الکبیر والبیهقی فی سننه عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی رمضان فی غیر جماعة عشرین رکعة والوتر۔ ففیه ایضا ضعف کما ضعفه البیهقی بروایة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبه وهو ضعیف وقال الحافظ فی الفتح وقد عارضه حدیث عائشة رضی الله عنها الصحیح ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة مع کون عائشة اعلم بحال النبی صلی الله علیه وسلم لکنی اقول تضعیف البیهقی ابراهیم بن عثمان اباشیبة لیس کتضعیفهم عیسی بن جاریه کما قال مولنا الشاه عبد العزیز الدهلوی ان اباشیبة لیس بضعیف ضعفا لا تقبل روایته کلیة۔ وسیاتی ما قال بتمامه ان شاء الله تعالی۔ وقال مولنا عبد الحی اللکنوی والعجب کل العجب ان عبد الله بن لهیعه ضعیف عندهم بضعف شدید حتی ضرب به المثل فی الضعف کما لا یخفی علی من راجع تهذیب التهذیب للحافظ ابن الحجر العسقلانی ومع ذلک قبل المحدثون روایته ولا یدری ای ذنب عظیم ارتکبه ابوشیبة حتی لا تقبل روایته مع انه لیس کابن لهیعة وعیسی بن جاریة ضعیف۔ واما قول الحافظ انه یعارض حدیث عائشة المذکور فمدفوع بما ذکرنا سابقا من انه لا یتعلق بباب التراویح۔ وانما هو لبیان رکعات التهجد ومع ذلک هو ای حدیث عائشة ایضا معارض بروایاتها الاخر کما عرفت۔ واما قوله ان عائشة کانت اعلم

بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیرها فلیس بسدید لان ازواجہ کن
فی العلم بحالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل مساویات فیمکن ان یکون عبد اللہ
بن عباس رض سمع هذا من احدهن سوی عائشۃ رضی اللہ عنہا بل
لا یبعد ان یکون سمع من خالتہ میمونۃ رضی اللہ عنہا او راٰه صلی اللہ علیہ
وسلم بنفسہ فی بیتها لانہ کان یبیت فی بیت خالتہ احیانا وما قیل
ان السیوطی قال لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ صلی عشرین رکعۃ لانہ
لو صلی العشرین ولو مرۃ لم یترکها ابدا لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عمل عملا
واظب علیہ وایضا لو وقع ذلک لم یخف علی عائشۃ رضی اللہ عنہا حیث قالت
ما تقدم - اجیب بان ما ذکرہ من قولہ انہ لو فعل العشرین ولو مرۃ لم
یترکها مما لا ینبغی ان یصغی الیہ فانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صلی
فی اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ تارۃ واحدی عشر رکعۃ تارۃ وتسع رکعات تارہ
الی غیر ذلک مما ذکرنا ولم یدم علی شیء من ذلک یحتمل ان یکون قد صلی
لیلۃ من اللیالی عشرین رکعۃ وقولہ ولو وقع ذلک لم یخف علی عائشۃ
رضی اللہ عنہا عجیب جدا فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی ثلاث
عشرۃ رکعۃ فی بیت میمونۃ سوی رکعتی الفجر وقد خفی ذلک علیها[1] -
وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الضحی بمرات عدیدۃ اخرجہ
البخاری ومسلم وابوداؤد والبیهقی واحمد والحاکم وابن ابی شیبۃ
وغیرهم والطبرانی والدارقطنی والترمذی وابو یعلی والبزار وابن
عدی والنسائی وسعید بن منصور مع انہ خفی ذلک علی عائشۃ حتی
روی البخاری عنها قالت ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسبح

[1] وما وقع فی حدیث عائشۃ من ثلاث عشرۃ رکعات فذلک مع رکعتی الفجر ۱۲ منہ

سبحة الضحی وروی مسلم عن عبد الله بن شقیق رضی الله عنه انه
قال قلت لعائشة رضی الله عنها اکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی الضحی
قالت لا الا ان یجیء من مغیبه ۔ وقد قال السیوطی بنفسه فی بعض رسائله بانه
صلی الله علیه وسلم لم یکن ملازما لها فی جمیع اوقاته بل لها منه وقت فی اوقات
فانه فی وقت یکون مسافرا او فی وقت یکون حاضرا وقد یکون فی الحضر
فی المسجد وغیره واذا کان فی البیت فله تسع نسوه وکان یقسم لهن فاذا
اعتبر ذلک لم یصادف وقت الضحی عند عائشة الا فی نادر من الاوقات وما
راته صلاها فی تلک الاوقات فقالت ما رایته انتهی ۔ فعلم من ذلک ان
انکار عائشة رضی الله عنها شیئا من الافعال النبویه او حصره فی شیء لا یدل
علی نفی ما عداه فی الواقع فیحتمل ان یکون صلی الله علیه وسلم صلی عشرین
رکعة فی المسجد او فی بیت ازواجه الاخر فخفی ذلک علی عائشة رضی الله عنها
وانه صلی فی بیت عائشة احدی عشرة رکعة ولم یزد علی ذلک هناک
فاخبرت علی حسب علمها کذا فی اقامة الحجه ۔ وقد وقع التعارض
بین حدیث جابر وحدیث ابن عباس فیعمل ههنا بما قال ابو داؤد انه اذا
تعارض الخبران عنه صلی الله علیه وسلم نظر الی ما عمل به اصحابه من بعده
انتهی فاجماعهم وعملهم واهتمامهم ومواظبتهم علی عشرین رکعات
فی عهد عمر رضی الله عنه وعثمان وعلی رض ثابت عند المحدثین کما رواه
مالک وابن سعد والبیهقی رحمهم الله ۔ فحدیث ابن عباس وان کان
ضعیفا الوقوع ابراهیم بن عثمان فی سنده قد تأید وقوی بعمل الخلفاء
ومواظبتهم علی حد ثبت به ۔ ومثل هذا قال العلامه مولنا الشاه

عبد العزیز الدهلوی فی فتاوٰله بالفارسیة ے درباب تراویح چنانچہ این حدیث صحیح واقع شدہ کہ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ہمچنان این احادیث صحیحہ ہم وارد شدہ اند قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم وعنہا رضی اللہ عنہا کان اذا دخل العشرۃ الاخیرۃ من رمضان احیی لیلہ وایقظ اهلہ وجد وشد المیزر رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وعن النعمان بن بشیر قال قمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان لیلۃ ثلاث وعشرین الی ثلث اللیل الاول ثم قمنا معہ لیلۃ خمس وعشرین الی نصف اللیل ثم قمنا معہ لیلۃ سبع وعشرین حتی ظننا ان لا ندرك الفلاح ای السحور۔ پس وجہ تطبیق درمیان این روایات کہ صریح دلالت بزیادتی وکیفی وکمی نماز آنحضرت در رمضان بر غیر آن می کنند وران روایت کہ نفی زیادت می کند ہمین است کہ آن روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیر رمضان یکسان بود کہ غالبًا بعدد یازدہ رکعت مع الوتر میرسد۔ دلیل برین عمل آن ست کہ راوی این حدیث ابو سلمہ است در تتمہ این روایت می گوید قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی رواہ البخاری ومسلم. ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور می شود نہ در غیر و روایات زیادت محمول بر نماز تراویح است کہ در عرف آن وقت بقیام رمضان معبر بود۔ آمدیم بر آنکہ قیام رمضان بچند رکعت ادا می فرمودند در روایات صحیحہ مرقومہ تعیین عدد نیامدہ لیکن از الفاظ مذکورہ درجد واجتہاد آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام معلوم می شود کہ عددش بسیار بود۔ ودر مصنف ابن ابی

شیبہ وسنن بیہقی بروایت ابن عباس رضؓ وارد شدہ کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ ویوتر۔ امام بیہقی این روایت را تضعیف نمودہ بآن کہ راوی این حدیث جد ابوبکر ابن شیبہ است حالانکہ ابوشیبہ جد ابوبکر بن شیبہ آن قدر ضعیف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود آری اگر معارض او حدیث صحیح می شد البتہ ساقط می گشت وقد سبق ان ما یتوہم معارضا لہ اعنی حدیث ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا المتقدم ذکرہ لیس معارضا بالحقیقۃ فبقی سالما کیف وقد تاید بفعل الصحابۃ کما رواہ البیہقی فی سننہ باسناد صحیح عن الثابت بن زید رضی اللہ عنہ قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ وروی مالک فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ عنہ بثلاثہ وعشرین وفی روایۃ باحدی عشرۃ۔ بیہقی درین ہر دو روایت جمع نمودہ است باین طریق کہ اول صحابہ کرام عدد یازدہ را کہ عدد مشہور تہجد آنحضرت بود درین نماز ہم اختیار فرمودہ بودند للعلۃ المشترکۃ بینہما وھوان کلا منہما صلوۃ اللیل وچون نزد ایشان ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں ماہ قیام زیادہ ازاں عدد مے فرمودند وبعشرین میرسانیدند من بعد عدد بست وسہ را اختیار کردند درین عدد اجماع شدہ بود بعد تحقق اجماع مراعات این عدد ہم از ضروریات گشت در حق قرون متاخرہ ازین جہت است کہ فقہا درین امر تشدد می کنند وچیزہای بسیار است کہ بعد از تحقق اجماع تاکید شدید پیدا کردہ اند وقبل ازین چندان تاکید نداشتند خصوصاً چون آن امر مجمع علیہ شعار اہل حق گردد وما بالامتیاز اہل بدعت شود ودر رواتب

پنج وقتی نیز تاکید یکه بعد از قرن صحابہ بہم رسیدہ سابق ازاں نبود کما یظہر من تتبع الروایات فی ذلک و در اختیار ایں عدد وجوہ دیگر ہم موجب ترجیح بہم رسیدہ از انجملہ آنکہ در غیر رمضان صلوۃ اللیل کہ عبارت از تہجد است بعدد یازدہ وارد شدہ آنرا در رمضان کہ وقت جد و تشمیر است مضاعف کردہ اند و عدد رواتب پنج وقتی نیز عند اکثر الشافعیہ بدہ میرسد تضعیف آن بہ بست میرسد و سہ رکعت وتر باآن ضم کنند بست و سہ می شود بہر حال در اینجا قاعدہ کلیہ را ملحوظ نظر باید فرمود کہ در وقت اجماع و اتفاق اہل حل و عقد بر امرے از امور شرعیہ دلایل و ماخذ آن امر از طرق شتی و مسالک متعددہ بر قلوب اہل عصر وارد می شود و بہئیت مجموعیہ موجب تیقن یا ظن غالب بحکم آن امر می شود و اگر از دیگران کہ آنوقت حاضر نبودند۔ ہر ہر ماخذ و دلیل را فرادی نظر کنند نزد ایشان غلبہ ظن یا تیقن نمیشود لیکن در حق ایشان اجماع منعقد در زمان سابق در دلیل بودن کفایت می کند ازیں قاعدہ مسائل بسیار می بر آید اگر اہل زمان متاخر خواہند کہ سوائے اجماع دلیلے دیگر دران مسایل پیدا کنند متحیر می شوند و ہرگز ایشاں را بر و یقین میسر نمی شود زیرا کہ دلائل مانند اجماعیہ در ذہن ایشاں فراہم نمی آیند۔ انتہی کلامہ + الحاصل ان ما واظبت علیہ الخلفاء فعلا او تشریعا فہو سنۃ مؤکدۃ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ اخرجہ ابوداؤد وغیرہ۔ فیکفینا علی سنیۃ عدد العشرین اجماع الصحابۃ ومواظبتہم علیہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ والسنۃ کما یطلق علی ما واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کذلک یطلق علی

ما واظب عليه الخلفاء كما صرح به المحققون **كما قال علامة وقته محمد** بن القيم الحنبلى رحمه الله فى بحث الجمعة من كتابه زاد المعاد فى هدى خير العباد ان السنة ما كان ثابتا عن النبى صلى الله عليه وسلم من قوله او فعله او سنة خلفاء الراشدين انتهى - **وقال العلامة الشيخ ابن التيمية** هؤلاء اى ابوبكر وعمر وعثمان وعلى كانوا لخلفاء المهديين الراشدين الذين خلفهم فى امته علما وعملا وهو صلى الله عليه وسلم كما قال الله تعالى فى حقه وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى - **فكذا لخلفاء** الراشدون الذين قال فيهم عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ - **فانهم** خلفوا فى ذلك فانتفى عنهم بالهدى الضلال وبالرشد الغى وهذا هو الكمال فى العلم والعمل فان الضلال عدم العلم والغى اتباع الهوى انتهى - **اقول** فعلى هذا التعريف المسنة ثبت كون العشرين فى التراويح سنة مؤكدة بلا خفاء لثبوت مواظبة الخلفاء الثلثة عليه كما سياتى تحقيق ذلك انشاء الله تعالى فانتظره **فمؤدى** ثمان ركعات يكون تاركا للسنة المؤكدة - وبعبارة اخرى عشرون ركعات مما واظب عليه الخلفاء وكل ما واظب عليه الخلفاء فهو سنة مؤكدة فعشرون ركعات فى التراويح سنة مؤكدة ويضم اليه تارك السنة المؤكدة معاتب وملام كذا فى اقامة الحجة لمولينا عبد الحى - **ويدل** على ان الخلفاء والصحابة رضى الله عنهم واظبوا على التراويح بالجماعة تشريعا وفعلا ما رواه البخارى عن عبد الرحمن بن عبد القارى انه قال خرجت مع عمر بن الخطاب رضى الله عنه ليلة فى رمضان الى المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون

يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط فقال عمر اني امرى
لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان امثل ثم عزم فجمعهم على ابي بن كعب
ثم خرجت معه ليلة اخرى والناس يصلون بصلاة قارئهم قال عمر نعم
البدعة هذه والتي ينامون عنها افضل من التي تقومون يريد اخر الليل وكان
الناس يقومون اوله ـ وقال بدر الدين العيني في بحث طهارة البناية
شرح الهداية سيرة العمرين لاشك ان في فعلها ثواب وفي تركها عقاب
لانا امرنا بالاقتداء بهما بقوله صلى الله عليه وسلم اقتدوا بالذين من بعدي ابي بكر
وعمر فاذا كان الاقتداء مامورا به يكون واجبا وتارك الواجب يستحق العقاب و
العتاب انتهى ـ وفي شرح المشكوة للطيبي قوله نعمت البدعة هذه يريد
صلوة التراويح فانه في خيز المدح لانه فعل من افعال الخير وفيه تحريض على
الجماعة المندوب اليها وان كانت لم تكن في عهد ابي بكر فقد صلاها رسول
الله صلى الله عليه وسلم وانما قطعها اشفاقا من ان تفرض على امته وكان عمر
ممن نبه عليها وسنها على الدوام فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم
القيمة ـ وروى الفقيه ابو الليث في تنبيه الغافلين عن ابيه بسنده عن
علي رضي الله عنه انه قال انما اخذ عمر هذه التراويح من حديث سمعه مني
قالوا وما هو يا امير المؤمنين قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول
ان لله تعالى حول العرش موضعا يسمى حظيرة القدس وهو من النور فيها
ملائكة لا يحصى عددهم الا الله يعبدون الله تعالى عبادة لا يفترون
ساعة فاذا كان ليالي شهر رمضان استاذنوا ربهم ان ينزلوا الى الارض فيصلون
مع بني ادم فينزلون كل ليلة الارض فيصلون مع بني ادم فكل من مسهم او مسوه

سعد سعادة لا يشقى بعدها ابدا فقال عمر نحن احق بهذا فجمع الناس للتراويح
ونصبها الى ابى بن كعب انتهى. قال ابن الحجر العسقلانى سماها عمر
بدعة والبدعة اصلها ما احدث على غير مثال سبق وتطلق فى الشرع
فى مقابلة السنة. وقال القسطلانى وقد رغب فيها عمر رض بقوله
نعمت البدعة هذه وهى كلمة تجمع المحاسن كلها كما ان بئس تجمع
المساوى كلها وقيام رمضان ليس بدعة لانه صلى الله عليه وسلم
قال اقتدوا بالذين من بعدى ابابكر وعمر واذا اجتمعت الصحابة مع
عمر على ذلك زال عنه اسم البدعة انتهى كلام القسطلانى. ومن قال
ليس فى البدعة ما يمدح بل كل بدعة ضلالة فقد اساء الادب
بالناطق بالصواب سيدنا امير المؤمنين عمر بن الخطاب وهو
مبنى على عدم فهم مرامه وقد كان عمر اعلم بحديث كل بدعة
ضلالة ممن اساء الادب بالايراد عليه. وفى شرعة الاسلام المراد
من السنة التى يجب التمسك بها ما كان عليه القرون المشهود لهم
بالخير والصلاح والرشاد وهم الخلفاء الراشدون ومن عاصر
سيد الخلائق ثم الذين بعدهم من التابعين ثم الذين من
بعدهم فما احدث بعد ذلك من امر على خلاف مناهجهم فهو
من البدعة وكل بدعة ضلالة وقد كانت الصحابة ينكرون
اشد الانكار على من احدث او ابتدع رسما لم يتعهدوه فى عهد
النبوة قل ذلك او كثر صغر ذلك او كبر انتهى. وقال يعقوب
بن سيد على الرومى فى مفاتيح الجنان شرح شرعة الاسلام المراد

ان كل بدعة فى الدين كانت على خلاف مناهجهم وطريقتهم فهو ضلال والا فقد حققوا ان من البدع ما هى حسنة مقبولة كالاشتغال بالعلوم الشرعية وتدوينها ومنها ما هى سيئة مردودة وهى ما احدث بعدهم على خلاف مناهجهم بحيث لو اطلعوا عليه لانكروه انتهى وفى الطريقة المحمدية لمحمد افندى البركلى الرومى ان قيل كيف التطبيق بين قوله عليه الصلوة والسلام كل بدعة ضلالة وبين قول الفقهاء ان البدعة قد تكون مباحة كاستعمال المنخل والمواظبة على اكل الحنطة والشبع منه وقد تكون مستحبة كبناء المدارس والمنارة وتصنيف الكتب بل قد تكون واجبة كنظم الدلائل لرد شبهات الملاحدة ونحوهم - قلنا للبدعة معنى لغوى عام وهو المحدث مطلقا عادة كانت او عبادة لانها اسم من الابتداع بمعنى الاحداث كالرفعة من الارتفاع والخلفة من الاختلاف وهذه هى المقسم فى عبارة الفقهاء يعنون بها ما احدث بعد الصدر الاول مطلقا ومعنى شرعى خاص هو الزيادة فى الدين والنقصان منه الحادثان بعد الصحابة بغير اذن الشارع لا قولا ولا فعلا ولا صريحا ولا اشارة فلا يتناول العادات اصلا بل يقتصر على بعض الاعتقادات وبعض صور العبادات فهذه هى مراده صلى الله عليه وسلم بدليل حديث فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين وقوله عليه الصلوة والسلام انتم اعلم بامر دنياكم وقوله عليه الصلوة والسلام من احدث فى امرنا ما ليس منه فهو رد انتهى - وفى الحواشى الطريقة المحمدية لخواجه زاده

قوله بعد الصحابة اما الحادث فی زمان الخلفاء الراشدین فلیس ببدعة
لان سنتهم کسنة الرسول صلی الله علیه وسلم بدلیل الامر بالتمسك بسنتهم انتهی وفی
الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة لعبد الغنی النابلسی عند قول
المصنف بعد الصدر الاول هم السلف المتقدمون فی زمان الرسول
علیه السلام والصحابة لقوله علیه السلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء
الراشدین من بعدی فما حدث فی زمانهم فلیس ببدعة والبدعة ما حدث
بعد زمانهم وزمان التابعین وتابعیهم انتهی. فهذه اقوال العلماء ناصة
علی ان ما حدث فی زمان الصحابة والتابعین بل وتابعیهم من غیر
نکیر لیس بداخل فی بدعة والارتکاب به لیس بضلالة. والتفصیل
فی هذا المقام ان ما کان فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم سواء کان
فعله بنفسه او فعله اصحابه وقررهم علی ذلك لیس ببدعة
اتفاقا. وما لم یکن فی عهده بل حدث بعده فهو بدعة بالمعنی
العام بمعنی المحدث مطلقا بعد العهد النبوی وهو لا یخلو اما
ان یکون من قبیل العادات او من قبیل العبادات. فان کان
الاول فهو لیس ببدعة ضلالة اصلا ما لم یدل علیه دلیل
شرعی علی قبحه. وان کان الثانی وهو لا یخلو اما ان یکون حدث
فی زمن الصحابة بان فعله الصحابة کلهم او بعضهم او فُعِل فی زمانهم
مع اطلاعهم علیه واما ان یکون حدث فی زمان التابعین
واما ان یکون حدث فی زمان تابعی التابعین واما ان یکون
حادثا بعد ذلك الی یومنا هذا. اما الحادث فی زمان الصحابة

فلا یخلو اما ان یوجد النکیر علی ذلک اولم یوجد مع اطلاعھم
علی ذلک فالاول بدعۃ ضلالۃ داخلۃ فی کل بدعۃ ضلالۃ
مثاله الخطبة قبل الصلوة فی العیدین فعله مروان بن الحکم وانکره
علیه ابوسعید الخدری کما اخرجه البخاری وغیره عن الخدری انه
قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یخرج یوم الفطر ویوم الاضحی
فاول شئ یبدأ به الصلوة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس
جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویامرهم فلم یزل الناس
علی ذلک حتی خرجت مع مروان وھو امیر المدینة فی عید الاضحی
اوفطر فلما اتینا المصلی اذا منبر بناه کثیر بن الصلت فاذا
مروان یرید ان یرتقیه قبل ان یصلی فجذبت ثوبه فجبذنی
فارتفع فخطب قبل الصلوة فقلت له غیرتم واللہ فقال یا ابا سعید
قد ذھب ما تعلم فقلت ما اعلم واللہ خیر مما لا اعلم فقال ان
الناس لم یکونوا یجلسون لنا بعد الصلوة فجعلتها قبل الصلوة
وکذالک رفع الیدین للدعاء فی الخطبة فعله بشر بن مروان وانکره
علیه عمارة کما اخرجه مسلم وابوداؤد وغیرھما عن حصین بن عبد
الرحمن قال رای عمارة بن رویبة بشر بن مروان وھو یدعو فی یوم
الجمعة فقال قبح اللہ ھاتین الیدین لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم وھو علی المنبر ما یزید علی ھذه یعنی السبابة التی تلی الابھام
والثانی ان لا یوجد منھم النکیر بل الرضاء والتوافق فلیس ببدعة
شرعیة وان اطلق انه بدعة بمعنی العام قید ذلک بانه بدعة

حسنة. فمن ذلك الاذان الاول يوم الجمعة كما اخرجه البخاری
وابن ماجة والترمذی وغيرهم عن السائب بن يزيد قال كان النداء
يوم الجمعة اوله اذا جلس الامام على المنبر على عهد رسول الله
صلى الله عليه وسلم وابی بكر وعمر فلما كان عثمان كثر الناس زاد النداء
الثالث على الزوراء. قال النووی انما جعل ثالثا لان الاقامة
ايضا تسمى اذانا. ومن ذلك تعدد صلوة العيد فی مصر واحد
كما قال شيخ الاسلام ابن التيمية فی منهاج السنة احدث علی بن ابی
طالب فی خلافته العيد الثانی بالجامع فان السنة المعروفة على
عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابی بكر وعمر وعثمان انه لا يصلی فی المصر
الا جمعة واحدة ولا يصلی يوم النحر والفطر الا عيد واحد فلما كان في عهده
قيل له ان بالبلد ضعفاء لا يستطيعون الخروج الى المصلی فاستخلف
عليهم رجلا صلى بالناس فی المسجد انتهى. ومن ذلك تذكير الناس
المسمى بالوعظ فی عرفنا كما قال تقی الدين احمد بن علی المقريزی المصری
المؤرخ فی كتاب المواعيظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار ذكر عمر بن
شيبة قيل للحسن متى احدث القصص قال فی خلافة عثمان
قيل ومن اول من قص قال تميم الداری وذكر عن ابن شهاب قال اول
من قص فی مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم تميم الداری استاذن
عمر ان يذكر الناس فابى حتى كان آخر ولايته فاذن له ان يذكر
فی الجمعة قبل ان يخرج عمر فاستاذن تميم عثمان فاذن له ان يذكر
يومين فی الجمعة فكان تميم يفعل ذلك انتهى ومن ذلك الاجتماع

فی لیالی رمضان بعشرین رکعة من التراویح حدث ذلك فی زمان عمر
وقال هو فی حقه نعمت البدعة هی سماها بدعة باعتبار المعنی العام
ووصفها بالحسن اشعارا بانه لیس کل محدث عام ضلالة ولم یرد
المعنی الشرعی حتی یرد ان کل بدعة ضلالة فکیف توصف بالحسن
انتهی ۔ هذا کله فی اقامة الحجة ونقل عنه بتلخیص یسیر ۔ والذی
نص علیه ابن التیمیة فی منهاج السنة وغیره هو ان عموم
الحدیث بالنسبة الی البدعة الشرعیة والبدعة فی قول عمر محمولة
علی البدعة اللغویة فلا تخالف بین مدحه رضی الله عنه البدعة
وذم الرسول صلی الله علیه وسلم البدعة ۔ انتهی کلام ابن التیمیة
قال الشوکانی فی السیل الجرار فی هذه المسئلة ما لفظه اقول اما التراویح
فقد ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم انه صلی فی لیالی رمضان وائتم
به جماعة وعلمهم فترك ذلك مخافة ان تفرض علیهم وهذا ثابت فی
احادیث صحیحة فی الصحیحین وغیرهما وبهذا یتقرر ان صلوة
النوافل فی لیالی رمضان جماعة سنة لا بدعة لان النبی صلی الله علیه
وسلم لم یترك ذلك الا لذلك العذر ۔ وفی حدیث ابی ذرؓ انه
صلی الله علیه وسلم صلی بهم النافلة فی لیالی رمضان فکیف تکون
الجماعة بدعة ولم یقع من عمر رضی الله عنه الا لما خرج الی
المسجد فوجد الناس اوزاعا متفرقین یصلی الرجل لنفسه ویصلی
الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال انی اری لو جمعت هؤلاء علی
قارئ واحد لکان اولی ثم عزم فجمعهم علی ابی ابن کعب رضی الله عنهما

فقد كانت الجماعة فی المسجد موجودة بعد موت النبی صلی الله علیه وسلم وقبل ان یجمعهم عمرؓ۔ وبهذا تعرف ان التجمیع فی النوافل فی لیالی رمضان سنة لا بدعة. انتهی قول الشوكانی كذا فی عون الباری للنواب۔ وقال ابو الولید الباجی المالكی وابن التین وغیرهما استنبط عمر رضی الله عنه ذلك من تقریر النبی صلی الله علیه وسلم من صلی معه فی تلك اللیالی وان كان كره ذلك لهم فانما كرهه خشیة ان تفرض علیهم فلما مات النبی صلی الله علیه وسلم حصل الامن من ذلك ورجح عند عمر ذلك لما فی الاختلاف من افتراق الكلمة ولان الاجتماع علی واحد انشط لكثیر من المصلین والی قول عمرؓ جنح الجمهور فاستمر علیه عمل الصحابة وسائر المسلمین وصار من الشعار الظاهرة كصلوة العید۔ فتح الباری وقال ابن بطال الشافعی قیام رمضان سنة لان عمر اخذه من فعل النبی صلی الله علیه وسلم وقال ابن عبد البر المالكی لم یسن عمر رضی الله عنه الا ما رضیه رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ولم یمنعه من المواظبة الا خشیة ان یفرض علی امته وكان بالمؤمنین رءوفا رحیما۔ زرقانی وفتح الباری ملخصا۔ وذكر فی الاختیار ان[1] ابا یوسف سال ابا حنیفة عنها وما فعله عمرؓ فقال التراویح سنة مؤكدة ولم یخرجه عمر من تلقاء

[1] اس عبارت میں اگرچہ کوئی عدد مذکور نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ تراویح میں جس امر کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کی جاتی ہے۔ وہ درحقیقت عدد بست رکعت ہے۔ کیونکہ ثبوت نفس تراویح بروایات صحیحہ آنحضرت صلعم سے ثابت ہے۔

نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يامر به الا عن اصل لديه وعهد من
رسول الله صلى الله عليه وسلم انتهى وهكذا فى البحر الرائق وتعاليق الانوار
وقال ابن الحاج المالكى فى المدخل فان قال قائل قد قررتم
ان قيام رمضان فى المسجد سنة فما وجه ترك ابى بكر رضى الله عنه
لها فالجواب ان ابا بكر كان مشتغلا بما هو اعظم من ذلك واهم
فى الدين وهو قتال اهل الردة ومانعى الزكوة وبعث الجيوش الى
الشام وغير ذالك وما جرى له مع مسيلمة الكذاب وغيره وتراكم
الفتن عند انتقال النبى صلى الله عليه وسلم مع شغله بجمع القرآن وتدوينه
مع قصر مدته رضى الله عنه فلم يتفرغ لما تفرغ له امير المؤمنين
عمر بن الخطاب فبان ماذكره واتضح والله الموفق. انتهى قول ابن الحاج
الحاصل ان عمر بن الخطاب رض احيى هذه السنة واقامها فى سنة
اربع عشر من الهجرة وامر ابيا ان يصلى بالناس۔

واما عدد ركعات التى يصليها بهم ابى بن كعب رضى الله عنه

فالمعروف الذى عليه الجمهور انه عشرون ركعة وما رواه مالك
عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب رضى الله عنه ابى ابن
كعب وتميما الدارى ان يقوما للناس باحدى عشر ركعة فقد
قال ابن عبد البر المالكى روى غير مالك فى هذا الحديث
احدى وعشرون ركعة وهو الصحيح ولا اعلم احدا قال فيه
احدى عشر ركعة الا مالكا ويحتمل ان يكون ذلك اولا ثم

خفف عنهم لطول القيام ونقلهم الى احدى وعشرين ركعة
الا ان الاغلب عندى ان قوله احدى عشرة ركعة وهم انتهى قوله
قال الزرقانى ولا وهم مع ان الجمع بالاحتمال الذى ذكره ابن
عبد البر قريب وبه جمع البيهقى ايضا. انتهى قوله
ومما يدل على ان عمر رضى الله عنه امر ابيا
ان يصلى بهم عشرين ركعة ما رواه مالك من طريق
يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد ان عمر رض امر ابي
بن كعب ان يصلي بهم عشرين ركعة قال الحافظ هذا
محمول على غير الوتر وما روى البيهقى عن يزيد بن بن خصيفة
عن السائب بن يزيد رضى الله عنه انه قال كانوا يقومون
على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان
بعشرين ركعة واسناده صحيح ورجاله ثقات. وقال ابن
عبد البر المالكى وروى الحارث بن عبد الرحمن ابن ابي
ذباب عن السائب بن يزيد رضى الله عنه انه قال كان
القيام على عهد عمر رضى الله عنه بثلاث وعشرين ركعة قال
هذا محمول على ان الثلاث للوتر واخرج البيهقى فى معرفة
السنن والآثار بوجه آخر عن يزيد بن خصيفة عن السائب
بن يزيد رضى الله عنه وقال اخبرنا ابو طاهر الفقيه قال
اخبر ابو عثمان البصرى قال حدثنى يزيد بن خصيفة عن
السائب بن يزيد رضى الله عنه قال كنا نقوم فى زمان عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر۔ ومارویٰ
شیخ البخاری ابوبکر بن ابی شیبۃ عن یحی بن سعید رضی
اللہ عنہ ان عمر بن ابی الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلا ان یصلی
بہم عشرین رکعۃ ومارویٰ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن عبد
العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یصلی فی
رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ وروی
ابوبکر بن ابی شیبۃ عن عطاء انہ قال ادرکت الناس
وہم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر وروی ابوبکر
بن ابی شیبۃ عن نافع بن عمر بن عبد اللہ قال کان بن
ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعت اسنادہ صحیح
وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ عن سعید بن عبید ان
علیا بن ربیعۃ کان یصلی بہم فی رمضان خمس ترویحات
ویوتر بثلاث واسنادہ صحیح وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ
عن عبد اللہ بن قیس عن شتیر بن شکل انہ کان یصلی
فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔ وقال البیہقی فی سننہ
وروینا عن شتیر بن شکل وکان اصحاب علی کرم اللہ
وجہہ انہ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ وروی
البیہقی عن ابی الخصیف انہ قال کان یؤمنا سوید بن
غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ واسنادہ
صحیح وروی مالک عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس

یقومون فی زمان عمر رضی اللہ عنہ بثلاث و عشرین رکعۃ و
اسنادہ مرسل قوی۔ و اعترض علیہ بعض غیر المقلدین
(اما للعصبیۃ و اما لقلۃ الدرایۃ) بالانقطاع و قال ان یزید
بن رومان من سکان المدینۃ ۱۲ لم یدرک عمر بن الخطاب فالحدیث منقطع
فاقول ھذا الایراد لا یصح اصلا و لا یجدی لہ نفعا۔ فان الشیخ
الامام الحافظ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی قال
علی ما حکی السیوطی فی تدریب الراوی انہ وان روی التابعی
عن الصحابۃ قصۃ ادرک وقوعھا فمتصل و کذا ان لم یدرک
وقوعھا و لکن اسندھا الیہ و الا فمنقطعۃ و قال ابن عبد البر المالکی
و جمیع ما فی الموطا من المراسیل و غیرھا کلھا مسندۃ و قد
صنف ابن عبد البر المالکی کتابا فی وصل ما فی الموطا من المراسیل
والمنقطع والمنقطع والمعضل و قال السیوطی ان ما فی الموطا من
المراسیل و مع کونھا حجۃ عند مالک بلا شرط و عند من وافقہ
من الائمۃ ھو حجۃ عندنا ایضا لان المرسل حجۃ عندنا اذا اعتضد
و ما من مرسل فی الموطا الا و لہ عاضد او عواضد فالصواب اطلاق
ان الموطا صحیح لا یستثنی منہ شیء انتھی قولہ و قال القاضی ابو الفضل
عیاض رح فی حق الموطا اذا ذکرت کتب والحدیث فحیھلا بکتب
الموطاء من تصانیف مالک رح اصح احادیثا و اثبت حجۃ و اوضحھا
فی الفقہ نھجا لسالک علیہ مضی الاجماع من کل امۃ علی رغم
خیشوم الحسود الممالحک فعنہ فخذ علم الدیانۃ خالصا ؛

ومنه استفد شرع النبی المبارك وشد به کف العنایة تهدی فمن حاد عنه هالك فی المهالك - وقال السیوطی والمنقطع الذی فی الموطا صحیح عند مالك رحمه الله وقال السیوطی والمنقطع الذی یرویه ثقة قبل زمان الشافعی صحیح عند المحدثین فاندفع ماقال المعترض فی روایة یزید بن رومان وقال الحافظ ابن الحجر العسقلانی والجمع بین هذه الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذلك الاختلاف بحسب تطویل القراءة وتخفیفها فحیث تطیل القراءة تقل الرکعات وبالعکس انتهی. وقال القسطلانی فی الجمع بین الروایات وجمع البیهقی بانهم کانوا یقومون باحدی عشرة رکعة ثم قاموا العشرین واوتروا بثلاث وقد عدوا ماوقع فی زمن عمر رضی الله عنه کالاجماع انتهی وقال السیوطی فی الجمع بین الروایات فی المصابیح وکان عمر رضی الله عنه لما امر بالتراویح اقتصر علی العدد الذی صلاه النبی صلی الله علیه وسلم ثم زاد فی اخر الامر وقال الشیخ عبد الوهاب الشعرانی الشافعی ای صلوة التهجد[۱۲] فی الجمع بین الروایات فی کشف الغمة کانوا ای الصحابة یصلونها فی اول زمان عمر رضی الله عنه بثلاث عشر رکعة وکان القاری یقرأ بالمئین من الایات ای التراویح ۱۲ حتی کان الناس یعتمدون علی العصی من طول القیام ثم ان عمر رضی الله عنه امر بفعلها ثلاثا وعشرین رکعة ثلاث منها وترفاستقر الامر علی ذلك فی الامصار انتهی وقال ابو الولید الباجی المالکی ایضا فی الجمع بین الروایات فامرهم عمر رضی الله عنه اولا بتطویل القراءة لانه افضل ثم ضعف الناس فامرهم بثلاث وعشرین رکعة فخفف من طول القراءة واستدرك بعض الفضیلة بزیادة الرکعات فکان الامر علی ذلك الی یوم الحرة فثقل

علیہم القیام فنقصوا من القراءۃ وزادوا فی الرکعات فجعلت ستا وثلثین غیر الشفع والوتر انتہی۔ وقال ابن الحبیب فی الجمع بین الروایات انہا کانت اولا احدی عشر رکعۃ کانوا یطیلون القراءۃ فثقل علیہم فخففوا القراءۃ وزادوا فی الرکعات فکانوا یصلون عشرین رکعۃ غیر الشفع والوتر لقراءۃ متوسطۃ ثم خففوا القراءۃ وزادوا فی الرکعات ستا وثلثین غیر الشفع والوتر ومضی الامر علی ذلک کما روی محمد بن نصر عن داؤد بن قیس قال ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبد العزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال الامام مالک رحمہ اللہ ہو الامر القدیم عندنا۔ وقال النواب صدیق حسن خان نقلا عن القسطلانی انما فعل اہل المدینۃ ہذا لانہم ارادوا بذلک مساواۃ اہل مکۃ فیما روی البیہقی فی السنن الکبری ومحمد بن نصر فی قیام اللیل ان اہل مکۃ کانوا یطوفون سبعا بین کل ترویحتین فجعل اہل المدینۃ مکان کل سبع اربع رکعات منفردات فکان لہم عشرون رکعۃ للتراویح وست عشر رکعۃ بدل طواف اہل مکۃ وقد حکی الولی بن العراقی ان والدہ الحافظ لما ولی امامۃ مسجد اہل المدینۃ احیی سنتہم القدیمہ فی ذلک مع مراعات ما علیہ الاکثر فکان یصلی التراویح فی اول اللیل بعشرین رکعۃ علی المعتاد ثم یقوم اخر اللیل فی المسجد بست عشر رکعۃ فیختم فی الجماعۃ فی شہر رمضان ختمتین واستمر علی ذلک اہل المدینۃ فہم علیہ الی الان فنسأل اللہ تعالی الکریم

المنان ان یبلغنا صلوتہا کذلک فی ذلک المکان فی عافیۃ
وامان استودع اللہ تعالیٰ ذلک ونعمۃ الاسلام. قال القسطلانی
ونقلہ النواب فی کتابہ عون الباری شرح صحیح البخاری وقال
الامام الشافعی رحمہ اللہ رایت الناس یقومون بالمدینۃ بتسع و
ثلثین وبمکۃ بثلاث وعشرین ولیس فی ذلک ضیق ولا
حد ینتہی الیہ لانہ نافلۃ فان اطالوا القیام وقللوا السجود فحسن
وھذا احب الیّ وان اکثروا الرکوع والسجود فحسن نقلہ البیہقی
فی المعرفۃ وقال الحلیمی ومن اقتدی باھل المدینۃ فقام
بست وثلثین فحسن ایضا لانہم انما ارادوا بما صنعوا الاقتداء
باھل مکۃ فی الاستکثار من الفضل لا المنافسۃ کما ظن بعضہم قال و الاقتصار
علی عشرین مع القراءۃ فیہما بما یقراء ھغیرو فی ست وثلثین رکعۃ افضل
لفضل طول القیام علی کثرۃ الرکوع والسجود انتہی. وقال الحنابلۃ و
التراویح عشرون رکعۃ ولا باس بالزیادۃ نصا عن الامام احمد رحمہ اللہ
انتہی کلام القسطلانی بتمامہ علی حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
الذی نقلہ النواب وقال الترمذیؒ واختلف اھل العلم فی قیام رمضان
فرای بعضہم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل
المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ واکثر اھل العلم علی ما
روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یصلون
عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال
الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ اقول

هذا ابو عيسى الترمذي من اجلة ائمة اهل الحديث نقل مذهب اهل الحديث فلم ينقل عن احد منهم انه اختار ثمان ركعات للتراويح. فهذا محل امعان النظر في حقيقة الامر فليتامل المتاملون، وقال العيني في شرح البخاري قال ابن عبد البر المالكي وروى الحارث بن عبد الرحمن بن ذباب عن السائب بن يزيد قال كان القيام على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه بثلاث وعشرين ركعة وقال ابن عبد البر وهذا محمول على ان الثلاث للوتر وقال شيخنا وما حمله عليه في الحديثين صحيح بدليل ما روى محمد بن نصر من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد انهم كانوا يقومون في رمضان بعشرين ركعة في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه واما اثر علي رضي الله عنه فذكر وكيع عن حسن بن صالح عن عمر بن قيس عن ابي الحسناء عن علي رضي الله عنه انه امر رجلا يصلي بهم في رمضان بعشرين ركعة واما اثر غيرهما فروي ذلك عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه رواه محمد بن نصر المروزي قال اخبرنا يحيي بن يحيي قال اخبرنا حفص بن غياث عن الاعمش عن زيد بن وهب الجهني المخضرمي انه قال كان عبد الله بن مسعود يصلي لنا في شهر رمضان فينصرف وعليه ليل قال الاعمش كان يصلي عشرين ركعة ولوتر بثلاث انتهى كلام العيني اقول عبد الله بن مسعود هو الذي قال الحذيفة بن اليمان رضي الله عنه في كان اقرب الناس هديا ودلا وسمتا برسول الله صلى الله عليه وسلم ابن مسعود حتى يتوارى منا في بيته ولقد علم المحفوظون من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابن ام عبد هو من اقربهم الى الله زلفى اه رواه الترمذي وقال هذا حديث

حسن صحیح) وقد علمت ان عبد اللہ بن مسعود کان یصلی بہم عشرین
رکعۃ ولا شک فی کون ہذا العدد محفوظا عندہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ولاجل ذلک کان یحافظ علیہ ویلازمہ وقد علمت ایضا ان عمر بن
الخطاب رضی اللہ عنہ امر ابیا بالعشرین وکذلک امر علی وعثمان رضی اللہ عنہما
بالعشرین فبمقتضی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی من
اصحابی ابی بکر وعمر واہتدوا بہدی عمار وتمسکوا بعہد ابن مسعود
کما رواہ الترمذی وقولہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین
عضوا علیہا بالنواجذ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ وجب علی الامۃ
الاقتداء بعملہم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم وولاۃ الامر بعدہ سننا
الاخذ بہا تصدیق لکتاب اللہ واستعمال لطاعۃ اللہ وقوۃ علی دین
اللہ لیس لاحد تغیرہا وتبدیلہا ولا النظر فی رای من خالفہا۔ من اقتدی
بہا فہو مہتد تغیرہا وتبدیلہا ولا النظر فی رای من خالفہا من اقتدی
بہا فہو مہتد ومن استنصر بہا فہو منصور ومن خالفہا واتبع غیر سبیل
المؤمنین ولاہ اللہ ما تولی واصلاہ جہنم وساءت مصیرا انتہی ــ
قول امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز نقلہ القاضی عیاض فی
الشفاء ۔ وقال ابن الحاج المالکی فعلی ہذا الہم نا نسبح ان کنت
متبعا ان المحب لمن یحب مطیع وہم سادتنا وقدوتنا الی ربنا
فینبغی الاتباع لہم والاقتفاء لآثارہم المبارکۃ لعل برکۃ
ذالک تعود علی المتبع لہم ۔ اقول یعلم من اتفاق الصحابۃ واجماعہم
علی عدد العشرین ان ہذا العدد کان محفوظا عند جمیعہم عن

رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى لم يعترض عليه احد منهم بل عمل عليه
كل من كان موجودا على بسيط الارض من الصحابة علما بانه سنة سنية
ولو لم يكن عندهم ماثورا عن النبي صلى الله عليه وسلم لما اختاروه ابدا ولما
اخذوه وما عملوا عليه اصلا ولم ينقل عن احد منهم خلافه فتحقق
واستبان ان هذا هو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال فالقول بان
عشرين بدعة لا اصل له انما هو الجهل والضلال وقلة المعرفة بل عدمها
عن حقيقة الحال وقال العيني في شرح البخاري اما القائلون بالعشرين
من التابعين فشتير بن شكل وابن مليكة والحارث الهمداني وعطاء
بن رباح وابو البختري الطائي وسعيد بن ابي الحسن اخو الحسن البصري
وعبد الرحمن بن ابي بكر وعمران بن العبدي وقال ابن عبد البر
المالكي وهو قول الجمهور من العلماء وبه قال الكوفيون والشافعي
واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابي بن كعب رضي الله عنه من غير
خلاف من الصحابة انتهى كلامه وقال الشيخ ابن القيم الحنبلي
الجوزي رحمه الله في بعض فتاواه ان نفس قيام رمضان
لم يوقت النبي صلى الله عليه وسلم فيه عددا معينا بل هو
كان صلى الله عليه وسلم لا يزيد ولا ينقص في رمضان ولا في غيره
على ثلاث عشرة ركعة كان يطيل الركعات فلما جمعهم عمر رضي الله عنه
على ابي بن كعب رض كان يصلي بهم عشرين ثم يوتر بثلاث وكان يخفف
القراءة بقدر ما زاده من الركعات ولان ذلك اخف على المامومين
من تطويل الركعة الواحدة ثم كان طائفة من السلف يقومون

باربعین ویوترون بثلاث واخرون قاموا بست وثلاثین والسلف واوتروا بثلاث وهذا شائع فکیف ما قام فی رمضان من هذه الوجوه فقد احسن والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان کان فیهم احتمال القیام فالقیام بعشر رکعات وثلاث بعدها کما کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی لنفسه فی رمضان وغیره وهو الافضل وان کانوا لا یحتملون القیام فالقیام بعشرین افضل وهو الذی یعمل به اکثر المسلمین فانه وسط بین العشر والاربعین وان قام باربعین جاز ولا یکره شیء من ذلک وقد نص علی ذلک غیر واحد من الائمة کاحمد بن حنبل وغیره ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد موقت عن النبی صلی الله علیه وسلم لا یزاد علیه ولا ینقص فقد اخطأ انتهی کلام العلامة ابن القیم الذی نقله النواب صدیق حسن خان وقال هذا الکلام اعدل الکلمات واقربها الی الانصاف وابعدها عن الاعتساف وقال نواب صدیق حسن خان ناقلا عن شراح البخاری والمعروف فی التراویح وهو الذی علیه الجمهور انه عشرون رکعة بعشر تسلیمات فذلک خمس ترویحات کل ترویحة اربع رکعات بتسلیمتین غیر الوتر وهو ثلاث رکعات وفی السنن البیهقی باسناد صحیح کما قال ابن العراقی فی شرح التقریب عن السائب بن یزید رضی الله عنه انه قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة وقال الحلیمی والسر فی کونها عشرین رکعة ان الرواتب فی غیر

رمضان عشر رکعات فضوعفت لانه وقت جد وتشمیر انتھی کلام نواب۔ ثم قال النواب رحمه الله بعد ذلک وفہم مما سبق من انها بعشر تسلیمات انه لو صلاها احد اربعا اربعا بتسلیمة لم یصح وبه صرح الامام النووی فی الروضة تشبیها بالفرض فی طلب الجماعة فلا تغیر عما ورد بخلاف نظیرہ سنة الظھر والعصر انتھی کلام النواب

ان روایات و اقوال سے ظاہر اور ہویدا ہے کہ بیس رکعات تراویح پر عمل صحابہ قرار پایا اور خلفائے ثلاثہ کے عہد برکت مہد میں یہی عدد معمول بہ رہا۔ البتہ حضرت عمرؓ نے اولاً گیارہ رکعت کا امر فرمایا تھا مگر بعد اس کے بیس رکعت کا حکم دیا اور اسی پر صحابہ کو دوام رہا پھر نہ کسی صحابی سے گیارہ رکعت پڑھنا منقول ہے اور نہ حضرت عمرؓ کا امر فرمانا اور نہ کسی خلیفہ کا بلکہ حضرت علی رضؓ نے بھی بیس رکعت کا امر فرمایا چنانچہ روایت ابن ابی شیبہ اور بیہقی سے معلوم ہوا۔ سو یہ بطور جمہور کے ہے ورنہ ابن عبد البر گیارہ کی روایت کو مستند نہیں کہتا ہے۔ اُس کے نزدیک زمانہ خلفائے ثلاثہ میں بیس ہی رکعتیں پڑھی گئیں گیارہ رکعتیں ثابت ہی نہیں ہیں بلکہ وہم راوی ہے۔ چناں چہ شرح موطأ سے یہ قول اُوپر نقل کیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ جمہور کے نزدیک بھی اس روایت کا وہم مسلم ہوا اس تقدیر پر ابن عبد البر کا قول مطابق جمہور ہو جائے گا۔ الحاصل تتبع آثار سے ظاہر ہوا کہ صحابۂ کرام علی الخصوص حضرت عمرؓ کو احداث بدعت میں نہایت احتیاط تھی۔ بلا ضرورت دینی کوئی امر ایجاد نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو شخص کوئی نئی بات اختیار کرتا تو اس سے بزجر و توبیخ پیش آتے

تھے۔ اِس امر کی تحقیق میں میں چند روائیتیں بطور شاھد نقل کرتا ہوں:۔
عن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ فی جمیع المصحف قال قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمر ھذا واللہ خیر فلم یزل یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک ورأیت فی ذلک الذی رای عمر رواہ البخاری واخرج الترمذی فی جامعہ عن ابن عبد اللہ المغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم. فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ الحدیث۔ اب مقام غور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمع قرآن کے لئے فرمائیں جو نہایت اہم امر تھا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس سے انکار کریں اور فرمائیں کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم کیسے کریں اور جب زید بن ثابت سے کہا گیا انہوں نے بھی انکار کیا اور یہی جواب دیا جیسا کہ روایات صحیحہ میں آیا ہے۔ پھر حضرت عمر نے بیس رکعت تراویح کا امر کیا۔ باوجودیکہ یہ امر اہم اور ضروری نہ تھا مگر کسی نے نہ کہا کہ ہم کیسے یہ کام کریں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا بلکہ ان کے امر کو تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے اس نماز سے منع فرمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہ تھی۔ اور عذاب الہی سے ڈرایا۔ اور یہی حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ بیس رکعت نماز تراویح کا امر فرماتے ہیں۔ پھر کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ یہ اکابر بلا ضرورت فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر کے ایک نئی بات اختیار کرتے۔ الحاصل اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

بیس رکعت کی سند صحابہ کرام رضؓ کو پہنچی ہو گی جس سبب سے تمام صحابہ نے اس کو قبول کیا اور اجماع سکوتی اسپر پایا گیا کیونکہ کسی صحابی سے انکار بیس رکعت منقول نہیں۔ اگرچہ وہ روایت ہم کو نہ پہنچی اور جو پہنچی وہ بسبب ضعف راوی کے مرتبہ صحت سے گر گئی اگر یہی روایت غیر صحیحہ قرن اول میں صحیح ہو تو کچھ بعید نہیں کیونکہ عدم صحت اصطلاحی عدم صحت واقعی کو مستلزم نہیں کما ہو مصرح فی الاصول نیز تعیّن رکعات بغیر سند ہرگز نہیں ہو سکتی اور اس میں رائے کو دخل نہیں۔ چنانچہ فتح المنان میں ایک نکتہ حلیمی سے بیس رکعت مقرر ہونے کا نقل کر کے لکھا ہے

ولا یذھب علیك ان تقدیر الاعداد من غیر سنۃ من جانب الشارع لایجوز بمثل ھذہ النکتۃ التی ذکرھا الحلیمی فالظاھر انہ قد ثبت عندھم صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما فی حدیث ابن عباس لتحصیل الثواب من اللہ الکریم الوھاب ورام قرب المعبود بکثرۃ السجود متبعا بالرسول صاحب الکرم والجود وبالخلفاء الراشدین الموفین بالعھود واما من اتبع الھوی بمخالفۃ سنۃ الخلفاء فقد سھی وبغی وضل وغوی ولم یعمل بقول المصطفی اقول لہ یا ایھا السالك بغیر بصیرۃ فی اللیل الحالك حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء الا تری الی ما اختارہ الصحابۃ والتابعون والمجتھدون والمحدثون والذین انت ومن معك لھم مقلدون۔ اللھم اجعلنا بسنتہ وسنۃ خلفائہ من العاملین وبھدیہ وھدیھم من التابعین امین یارب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الضمیمۃ فی تحقیق خطبۃ الجمعۃ

اقول ان ترجمۃ الخطبۃ یوم الجمعۃ خلاف السنۃ النبویۃ بلا اخفاء و مکروہ و بلا شبہۃ و لا امتراء و اورد لازالۃ عمایۃ اھل الھوی استفتاء بعض الناس و جواب عالم من اجلۃ العلماء و ھو ھذا۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم قال بعض النّاس یجب للخطیب ان یترجم الخطبۃ العربیۃ ان کان المخاطبون اعاجم لا یفقھون العربیۃ کلھم او بعضھم اذ المقصود منھا التذکیر و الابلاغ لا الاستماع فقط فمتی لم یفھموا لم یتذکروا و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر العرب و ھم یفھمون کلام العربی فلم یحتاجوا الی الترجمۃ کاحتیاج الاعاجم الیھا فاحداث الترجمۃ فی الخطبۃ لحدوث الحاجۃ الیھا و بترک الترجمۃ یفوت المقصود من الخطبۃ فکانت وجودھا کعدمھا اذ لا فائدۃ لھا فکانت الترجمۃ اذا فرضا لا تصح الخطبۃ الا بھا۔ فیا ایھا العلماء ھل القائل بھذہ الکلمات مصیب ام لا۔ بینوا توجروا

الجواب الحمد لله رب العالمين والصلوة على سيد المرسلين قال الله عز وجل ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم ياذن به الله فمن هرب الى شئ يتقرب به الى الله من غير ان يشرعه الله فقد شرع ما لم ياذن به الله مما حذر الرسول صلى الله عليه وسلم امته فى الجامع والجمع فى خطبته بما هو من جوامع الكلم اخرجه مسلم فى صحيحه عن جابر رضى الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرت عيناه وعلا صوته واشتد غضبه حتى كانه منذر جيش يقول صبحكم ومساكم ويقول بعثت انا والساعة كهاتين ويقرن بين اصبعيه السبابة والوسطى ويقول اما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى محمد وشر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة وفى رواية النسائى وكل ضلالة فى النار وفى ما رواه ايضا فى الصحيح عن عائشة رضى الله عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد وفى لفظ الصحيحين من احدث فى امرنا ما ليس منه فهو رد وفى الحديث الصحيح الذى رواه اهل السنن عن عرباض بن سارية عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من يعش منكم بعدى فسيرا اختلافا كثيرا فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فان كل بدعة ضلالة ولا شك ان الخطبة يوم الجمعة وفى العيدين بغير لسان العربى

او ترجمتها بالعجمى من محدثات الامور احد ثواذلك بعد قرون الخير بلا اثارة من علم واعتذروا فى ذالك الاحداث بحدوث المقتضى وضرورة الحاجة اليه وهو عدم معرفة المخاطبين لسان العربى و كثرة الاعاجم القاصرين عن ادراك العربى. وما هذا لو علموا الا لتقصرنا فى تعلم لسان انزل به الكتاب من ربنا وبعث به الرسول صلى الله عليه وسلم فتفريطنا هذا اورثنا مهلك الابتداع والصحابة رضى الله عنهم مع توفر دواعيهم على تعليم الخلق والنصيحة لهم وتذكيرهم واهدائهم وكان فيهم مع توفر دواعيهم على تعليم الخلق والنصيحة لهم وتذكيرهم واهدائهم وكان فيهم العجمى ممن لايعرف العربى وكثرت الاعاجم حين فتحوا بلادهم الفارس والروم ولم يعهد منهم الخطبة بغير لسان العربى ولم يؤثر منهم ترجمتها لافهام المخاطبين ولا امروا بذلك احدا فاذا كان لايخطب احد منهم بالعجمى ولا يترجمها ولا يامر بها احد كان ترك هذه المصلحة والفضل الموهوم الذى اخترعه المخترعون مستلزم لعدم علم الرسول وخير القرون بطريق ابلاغ دين الله وكتمانهم عن بعض عباد الله وتقصيرهم فى الابلاغ والتذكير المقصود الاصلى فى الخطبة وكل واحد من الملازمين منتف بالشرع والعادة فمع وجود المقتضى وهو تعميم الابلاغ وتعليم جميع المخاطبين من عجمى وعربى وعدم المانع ليس ذلك الا كراهية ان يتعود الرجل بغير العربية التى هى شعار الاسلام ولغة القران

فترجمتها بغير العربية من شر الامور محدثاتها لا يرضى به الله ولا رسوله
ولاجل ذالك جعل اهل العلم كون الخطبة بالعربي شرط الصحة للخطبة
واداء السنة قال الامام النووى فى الاذكار فى كتاب حمد الله تعالى
ويشترط كونها يعنى الخطبة الجمعة وغيرها بالعربية انتهى
وقال احمد بن عبد الرحيم المدعو بولى الله المحدث الدهلوى
فى المصفى شرح الموطا ولما لاحظنا خطب النبى صلى الله عليه
وسلم وخلفائه رضى الله عنهم وهلم جرا فتنقيحها وجود
اشياء فيها الحمد والشهادتين والصلواة على النبى صلى
الله عليه وسلم والامر بالتقوى وتلاوة اية والدعاء للمسلمين
والمسلمات وكون الخطبة عربية الى ان قال اما كونها عربية
فلاستمرار عمل المسلمين فى المشارق والمغارب به مع ان فى كثير من
الاقاليم كان المخاطبون اعجميين انتهى عربا والاعاجم لا
يفهمون معناها اليوم كما كانوا لا يفهمون ذلك فى اول البعث
ثم لم تخرج الخطباء المؤذنين والمصلين الترجمة مع الكلمات
العربية ولا الى الاستغناء بالترجمة قط بل اعتاد العجم بتعلم
العربية ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون وفى خلط
العربية بالعجمية مفسدة اخرى ايضا من تطويل الخطبة
وافتتان الناس الذى اغضب رسول الله صلى الله عليه
وسلم اشد الغضب لم يغضب فى موضع مثله قط وزجر
عن ذلك باشد كلام روى مسلم عن جابر رضى الله عنه كانت

صلوته يعني رسول الله صلى الله عليه وسلم قصدا او
خطبته قصدا وروى ايضا عن عمار سمعت رسول الله صلى
الله عليه وسلم يقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته
منبئة عن فهمه فاطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة فهذا
امر منه صلى الله عليه وسلم بقصر الخطبة ماكان لمؤمن
اذا قضى رسوله امرا ان يتخلف عنه ويكون له الخيرة من
امره وروى مالك عن يحيي بن سعيد ان عبد الله بن مسعود
قال لانسان انك فى زمان كثير فقهاء قليل قراءه تحفظ
فيه حدود القران ويضيع حروفه قل من يسال كثير من
يعطى يطيلون فيه الصلوة ويقصرون الخطبة يبتدؤن
اعمالهم قبل اهوائهم وسياتى على الناس زمان قليل
فقهاءه كثير قراءه يحفظ فيه حروف القران وتضيع
حدوده كثير من يسال قليل من يعطى يطيلون فيه الخطبة
ويقصرون الصلوة يبتدؤن فيه اهواءهم قبل
اعمالهم كذا فى الفتاوى لمولنا عبد الحى رحمه الله ولا
تشبهة فى ان قراءة الخطبة كلها او بعضها بغير العربية
مكروه خلاف السنة المتوارثة اذ لم ينقل ذلك من
الصدر الاول مع الاحتياج اليه لاسيما حين فتحت الامصار
وشاع الاسلام فى الديار وعدم فهم الحاضرين العربية لهم
تغيروا الخطبة بل عليهم ان يتعلموا من اللسان العربي بقدر الضرورة

وقد ورد فی الحدیث عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ قال تعلموا العربیۃ فانہا من دینکم وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ عن عمر بن یزید انہ قال کتب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الی ابی موسیٰ رض اما بعد فتفقہوا فی السنۃ وتفقہوا فی العربیۃ واعراب القرآن فانہ عربی وقد روی السلفی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یحسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلم بالعجمیۃ فانہ یورث النفاق وما لم یتعلم الناس العربیۃ یکفی لہم الاستماع والانصات ای للخطبۃ وقال مولنا عبد الحی الکنوی رحمۃ اللہ علیہ قد سئلت مرۃ عن ہذہ المسئلۃ فاجبت بانہ یجوز عندہ مطلقا لکن لا یخلو عن کراہۃ فعارضنی بعض الاعزۃ بان الخطبۃ انما ہی لافہام الحاضرین وتعلیم السامعین وہو مفقود فی العربیۃ فی الدیار العجمیۃ بالنسبۃ الی اکثر الحاضرین فینبغی ان تجوز مطلقا من غیر کراہۃ فقلت الکراہیۃ انما ہی لمخالفۃ السنۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ قد خطبوا دائما بالعربیۃ ولم ینقل عن احد منہم انہم خطبوا خطبۃ ولو خطبۃ غیر الجمعۃ بغیر العربیۃ فعاد قائلا فی ذلک الزمان والبلدان لم یکن احتیاج لتبدیل اللسان لان الحاضرین کانوا من العرب ولغتہم کانت لغۃ العرب واما فی ہذہ البلدان فلیس کذلک فیحتاج الی التبدیل لذلک۔ فعدت قائلا قد کان

تحضر فی مجالس الخطب النبویة رجال من الفرس والروم
والحبشة والعجم ولم یبدل النبی صلی الله علیه وسلم خطبته
ابدا ومن المعلوم ان منهم من لم یکن یفهم لسان العرب مطلقا
ومنهم من لا یقدر علی فهم الکثیر منه وان فهم قدرا قدرا
وقد ورد ان النبی صلی الله علیه وسلم لما فرغ من الخطبة
فی بعض الاعیاد وظن انها لم تصل الی اذان النساء لبعدهن
حضرهن ووعظهن وخطبهن ولم یرد ولو من روایة الافراد
انه عقد لمن لم یکن یفهم العربی مجلسا علیحدة ووعظهم وخطبهم
بلغة غیر عربیة ولا یتوهم انه لم یکن صلی الله علیه وسلم
یعلم اللغة العجمیة وغیرها من اللغات غیر العربیة ولو کان
علمها لخطب بها. لانا نقول بعد تسلیم ذلک ان بعض الصحابة
کزید بن ثابت قد کان تعلم اللسان العجمی والرومی والحبشی
وغیرها من الالسنة کما صرح به فی الاعلام بسیرة النبی علیه
الصلوة والسلام وغیره من کتب الاعلام فلم یامره النبی صلی الله
علیه وسلم بان یخطبهم ویعظهم بالسنتهم وبالجملة فالاحتیاج
الی الخطبة بغیر العربیة لتفهم اصحاب العجمیة کان موجودا فی
القرون الثلاثة ایضا ومع ذلک لم یروا احد ذلک عن احد فی
تلک الازمنة وهذا اول دلیل علی الکراهة وبوجه اخر الخطبة
بالفارسیة وغیرها من اللغات الغیر العربیة بدعة وکل بدعة
ضلالة والضلالة ادنی درجتها الکراهة فلا یخلوا الخطبة بغیر العربیة

عن الكراهة و وجه كونها بدعة انها لم تكن فى القرون الثلاثة
مع الحاجة اليها ولم يكن مانع يمنع عنه بالكلية لانهم كانوا مقتدرين
على الالسنة العجمية فاذا كان المقتضى لفعله فى عهده عليه
السلام موجودا من غير وجود المانع منه ومع ذلك لم يفعله
ولم يحث عليه علم انه ليس فيه مصلحة بل هو بدعة قبيحة
سيئة اذا عرفت هذا فنقول الخطبة بالفارسية وغيرها
التى احدثوها فى هذا الزمان واعتقدوا حسنها ليس الباعث
الا عدم فهم العجم اللغة العربية وهذا الباعث قد كان موجودا
فى عصر خير البرية صلى الله عليه وسلم وان كان فيه اشتباه
فلا اشتباه فى عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من
الائمة والمجتهدين حيث فتحت الامصار الشاسعة والديار
الواسعة واسلم اكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الاعجام و
حضروا مجالس الجمع والاعياد وغيرها من شعائر الاسلام
وقد كان اكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطبهم
احد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث فى تلك
الازمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معدوم بالقواعد
المبرهنة لم يبق الا الكراهة التى هى ادنى درجات الضلالة
والحل فى هذا المقام الذى تيم به الالزام انه كما وضعت
الخطبة للتعليم وامر الخطباء والعلماء بالتفهيم كذلك امر
الجهلاء بطلب العلم حيث قال النبى صلى الله عليه وسلم طلب العلم

فريضة على كل مسلم اخرجه بن عدى والبيهقي من حديث انس رض والخطيب من حديث الحسين رض بن على رض والطبرانى من حديث ابن [illegible] ولما كان اكثر سر لعيتنا بالعربية يلزم على الناس ان يتعلموا اللسان العربي بقدر ما يرتفع به الحاجة فان ما لايتم الواجب الا به واجب ومن ههنا صرحوا ان تعليم الصرف و النحو وغيرهما من مبادى العلوم بقدر ما يحتاج اليه فى فهم الشريعة واجب فاذا لم يفهم الحاضرون الخطبة العربية فالنادم عدالفهم اليهم لا الى الخطباء ولا يلزم على الخطباء ان يغيروا اللسان العربي ويخطبوا بلسان يفهمه الجهلاء. هذا كله من اكام النفائس ملخصاً اقول ولا شك ان الخطبة انما هو التذكير والتوعيظ لكن كيف نسلم انه لا يحصل التذكير والتوعيظ باللغة العربية ما لم يترجم اذا كان المخاطبون لا يفهمون العربيه وقد قال الله تعالى فى القران ولقد يسرنا القران للذكر (اى سهلناه للاذكار والاتعاظ) فهل من مذكر (اى متعظ) وقال تعالى فانما يسرناه بلسانك (اى سهلناه بلغتك العربي) لعلهم يتذكرون اى يتعظون ولفظ انما من اداة الحصر كما هو محقق فى كتب المعانى و البيان فصار معنى الايه ما يسرنا القران الا بلغتك العربي وقال تعالى وانه لتنزيل رب العلمين نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين (اى لتكون ممن انذروا بلغه العرب وانذاره صلى الله عليه وسلم لم يكن مختصاً لاهل العرب

بل كان عاما لجميع الخلق كما قال الله تعالى وارسلنك
للناس كافة وقال تعالى وارسلنك للناس رسولا (اى
رسولا للناس جميعا) وكفى بالله شهيدا. وقال تعالى تبارك
الذى نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا (اى
للاولين والاخرين من الجن والانس. وقال تعالى هو الذى
بعث فى الاميين رسولا منهم يتلو عليهم ايٰته ويزكيهم و
يعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلل مبين
واخرين منهم لما يلحقوا بهم (وهم الذين جاءوا بعد الصحابة
الى يوم الدين فان دعوته وتعليمه صلى الله عليه وسلم تعم
جميع النّاس الى يوم القيمة) والله تعالى وان ختم به الرسالة
والبشارة والنذارة والنبوة لكنها باقية موجودة الى يوم القيمة
بواسطة خلفائه ونوابه وورثائه من العلماء العاملين وكل عالم
عامل يبلغ عنه صلى الله عليه وسلم احكام الدّين ولا يسوغ
للنائب ان يغير كلام المنيب بكلامه اصلا بل تجب عليه
الاتباع فى الامور كلها فرعا كان او اصلا، وعلى هذا نقول يلزم
على الخطباء فى جميع الحالات ان لا يخالفوا هدى النبى عليه
الصلوات بترجمتهم بالخطبات فى الاعياد والجمعات وليعدوا
هذا الفعل من البدعات السيئات لكونه مخالفا للسنة ولم
يوجد له نظير فى القرون المشهود لهم بالخيرات وليعلموا ان اتباع الرسول
من المنجيات والاختراع بهوى النفس فى العبادات من المهلكات؛

والعجب كل العجب من يهديهم جهلهم الى اتباع الهوى -
يعرضون عن اداء صلوة التراويح بعشرين ركعة مع
كونها سنة مؤكدة متوارثة من السلف والخلف كما تبتناه
بالدلائل القوية من الاحاديث والاثار الصحيحة ويترجمون
الخطبة مع كونها بدعة سيئة محرعة لاثبوت له عن القرون
المشهود لهم بالخير والصلاح كما بيّن مبرهنا بالدلايل ،
فاوصيهم بتقوى الله وترك الجهل والاتباع بالسلف لان
الخير كله فى الاتباع لهم كما قال الله تعالىٰ والذين اتبعوهم
باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه ،
اللّهم اجعلنا منهم واحشرنا معهم برحمتك يا ارحم الراحمين

{ ختم شد }

مسائل ضروریہ متعلق تراویح

مسئلہ :۔ جس رات کو رمضان شریف کا چاند نظر آئے اس رات سے تراویح پڑھنا شروع کرے اور جس رات کو عید کا چاند ثابت ہو جاوے اس رات سے چھوڑ دے مسئلہ نماز تراویح سنت علی الکفایہ ہے۔ یعنی محلہ کی مسجد میں اگر جماعت نہ ہو تو سب محلہ والے ترک سنت کے گناہ میں گرفتار ہوں گے۔ مسئلہ عشا کے فرض و سنت کے بعد بیس رکعتیں باجماعت تراویح میں سنت ہے۔ بعض لوگ جو آٹھ یا بارہ رکعتوں کو تراویح بتلاتے ہیں غلطی پر ہیں۔ وہ تہجد کی تعداد رکعت ہے۔ مسئلہ :۔ اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے۔ تو تمام رمضان شریف میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا سنت ہے۔ کاہلی سے ترک نہ کرنا چاہیے۔ اور اس قدر زیادہ پڑھنا جس سے مقتدیوں کو تکلیف ہو مکروہ ہے۔ مسئلہ :۔ بیس رکعت تراویح دس سلام سے پڑھنا چاہیے۔ اور ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر تک بیٹھنا جتنی دیر میں یہ چار رکعتیں پڑھی ہیں مستحب ہے۔ اور اس بیٹھنے میں اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے یا الگ نفل پڑھے یا چپ چاپ رہے۔ مسئلہ۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا، اور پوری چار پڑھ کر سلام پھیرا تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیے۔ مسئلہ جس شخص سے دو چار رکعتیں تراویح کی رہ گئی ہوں وہ امام کے ساتھ وتر با جماعت پڑھ لے، اور اس کے بعد اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے۔ مسئلہ :۔ جس شخص کو عشا کا فرض باجماعت نہ ملے وہ بھی وتر کو امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ مسئلہ جو حافظ روپیہ کی طمع میں قرآن مجید سناتا ہے اس سے وہ امام بہتر ہے جو چھوٹے

چھوٹے سورۂ شریفہ الم ترکیف سے پڑھائے۔ مسئلہ اگر اُجرت مُقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔ اگر پہلے سے مقرر نہ تھا مقتدیوں نے بعد ختم کے کچھ دیدیا تو اس میں کچھ مضایقہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ مسئلہ اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے۔ بعض صاحب تو ایسا پڑھتے ہیں کہ کہیں کہیں سوائے یعلمون تعلمون کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ ایسے اشخاص اس شعر کے مصداق ہیں ؎ گر تو قرآن بدیں نمط خوانی۔ ببری رونق مسلمانی پھر نہ رکوع و سجود کی رعایت نہ قومہ و جلسہ کی، ایسے پڑھنے سے بھی نہ امام کو کچھ ثواب ہے نہ مقتدیوں کو بلکہ سب گنہگار ہوتے ہیں۔ مسئلہ۔ علمائے نے فرمایا ہے کہ تراویح درمیان پڑھنا چاہیئے نہ ایسا ٹھہر کے جیسا فرض نمازوں میں پڑھتے ہیں نہ ایسا جلد کہ مقتدیوں کی سمجھ میں نہ آوے۔ مقتدیوں کو کمال سعی کرنی چاہیئے کہ ایسے امام کو معین کریں جو کہ قرآن شریف اچھا پڑھتا ہو، اور مسائل ضروریہ سے بھی واقف ہو۔ مسئلہ۔ اگر محلے کی مسجد میں امام اچھا نہ پڑھتا ہو یا زیادہ پڑھتا ہو کہ مقتدی کو اُس قدر سننا گراں گذرتا ہے۔ تو اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا جہاں اچھا اور متوسط پڑھنے والا ہو درست ہے۔ مسئلہ امام کو چاہیئے کہ ہر دوگانہ میں التحیات اور درود اور دعا پڑھے۔ جیسے اور سنتوں اور فرضوں کے قعدۂ آخر میں پڑھی جاتی ہے۔ مگر جب جانے کہ مقتدیوں کو تکلیف ہوگی تو دعائیں اختصار کر سکتا ہے۔ مگر قوم کی تکلیف کے خیال سے قرآن شریف جلد پڑھنا یا تعدیل ارکان نہ کرنا رکوع و سجود پورا نہ کرنا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ اعوذ باللہ بسم اللہ اور سبحانک اللھم کا نہ پڑھنا اور رکوع و سجود کی تسبیح کا ترک کرنا بھی مکروہ ہے۔ مسئلہ۔ امام کو چاہیئے کہ ختم کلام اللہ کی رات کو ۱۹ ویں رکعت میں معوذتین پڑھ کر رکعت پوری کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمیوں میں وہ شخص بہتر ہے جو قرآن مجید کو تمام کر کے پھر شروع کر دے۔

اردو ترجمہ — رکعات تراویح کی تعداد سے متعلق

سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے فضیلت دی ماہِ رمضان کو تمام مہینوں پر زیادہ شرف واکرام سے۔ اور نازل کیا اُسی مہینے میں قرآن مجید اوپر سردار تمام مخلوقات صاحبِ مقام محمود کے۔ اور فرض کر دیا ہم پر اس مہینے میں روزہ رکھنا اور اس مہینے کی شب بیداری (یعنی تراویح) نفل کر دیا۔ اور عام کیا اسمیں اپنا انعام اور درود وسلام ہو اسکے پیغمبر حضرت محمد پر جو کہ تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اُنکے آل کرام واصحاب عظام پر جنہوں نے اُن کی سنتکو زندہ کیا اور اُنکے راستے کو روشن کیا۔ پس وہی حضرات ہدایت کے ستارے اور اندھیری کے چراغ ہیں (امابعد) پس کہتا ہے بندہ ضعیف جو کہ پناہ مانگنے والا ہے خداوند

لطیف کو اسباب ندامت وحسرت اور اسباب کجروی سے جس کا نام محمد یوسف حنفی کشمیری خداوند کریم درگزر کرے اسکے سب گناہوں کو جو کہ بیٹا ہے عالم و ماہر معقول ومنقول جامع درمیان فروع واصول مولینا مولوی حافظ واعظ غلام رسول۔ خداوند کریم ٹھنڈک دے انکی قبر کو اور انکی قدر کو بلند کرے۔ کہ قیام رمضان یعنی (نماز تراویح) ماہ رمضان میں سنت ہے جو کہ احادیث صحیحہ سے فقہاء ومحدثین کے نزدیک ثابت ہے اور یہ کہ نماز تراویح کو نماز تہجد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک صرف علماء کو نماز تراویح کی رکعات میں آٹھ اور بیس اور چھتیس اور چالیس میں اختلاف ہے۔ اور یہ کہ راجح اور معمول تراویح میں ائمہ دین مجتہدین ومحدثین کے نزدیک بیس رکعتیں ہیں۔ چنانچہ عنقریب وہ بات ظاہر ہو جائیگی اہل فہم پر اس عمدہ رسالہ میں۔ چونکہ آج کل ایک تھوڑی سی جماعت عام لوگوں

ہیں سے اس سے انکار کرتے ہیں جو کہ اتباع سلف صالحین سے بھاگ کر اپنے ہمعصر لوگوں کی تقلید کرتے ہیں۔ تقلید جامد جو کہ بغیر دیکھے بھالے تقلید جامد ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ جنکی تقلید وہ کرتے ہیں انکو حضرات مجتہدین کے ساتھ کوئی نسبت نہیں مگر ایسی نسبت جو کہ ایک چڑیا بلکہ اس سے حقیر جانور کو ایک فصیح و بلیغ عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں مگر ایسی نسبت جو کہ ایک چڑیا بلکہ میں آٹھ ہی رکعتیں سنت ہیں اس سے زائد سب بدعت اور بالکل بے اصل و بے دلیل اور ناقابل اعتماد ہے۔ اور بعض انمیں سے ذرا نیچے اتر کر کہتے ہیں کہ آٹھ رکعتیں تو سنت ہیں اور انسے زائد رکعتیں مثلاً بیس رکعت وغیرہ اگر ثابت بھی ہو جاویں تو بھی بدعت عمر یہ ہی ہو گا (العیاذ باللہ) پس جبکہ ان بے باک لوگوں نے ایسی بیہودہ اور جاہلانہ باتوں سے بعض کاہل الطبع اور نفس پرست لوگوں کے دلوں میں شک و شبہ ڈالا تاآنکہ وہ انکے ہمراہ رمضان المبارک میں تراویح سے پیچھے رہکر ثواب عظیم سے محروم رہے۔ تو میں نے گزشتہ سال تراویح کے بیس رکعت ہونے کے اثبات میں بعض احباب کے استفتاء پر کچھ مختصر مضمون لکھا تھا جسمیں میں نے بدلایل ظاہر کر دیا تھا کہ تراویح میں قابل اعتماد اور صحیح قول سوائے بیس رکعات کے کچھ نہیں ہے چنانچہ اسکو منصف مزاج دیکھنے والوں نے پسند کیا اور وہ مجھے اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ میں انکی خاطر اس مسئلہ میں مزید دلایل اور ائمہ دین و محدثین و فقہاء محققین اور علماء عاملین کے اقوال کو ایک رسالہ کی صورت میں جمع کروں۔ تا طالب حجت و دلیل کیلئے برہان قاطع ہو اور ایک مکرم و محترم بزرگ نے بھی مجھے انکو مقصد و مطلب پورا کرنے کیطرف توجہ و رغبت دلائی پس مجھ سے سوائے تعمیل انکے ارشاد کے کچھ نہ ہو سکا۔ پھر میں تالیف رسالۂ ہذا کے لئے مستعد ہوا۔ جسکا نام میں نے تنویر المصابیح لرکعات التراویح رکھا۔ اور میں نے بحمد اللہ اس رسالہ میں شرح و بسط کیساتھ تمام دلایل اور اقوال لکھدئے اور اللہ سے ہی سوال کرتا ہوں کہ اس رسالہ سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے اور انکو راہ راست کیطرف راستہ دکھائے اور میرا ارادہ ہے کہ اس رسالہ کے آخر میں ایک مضمون بطور ضمیمہ خطبہ

کی تحقیق میں لکھوں جس میں یہ بات ثابت کیجائیگی کہ خطبہ سوائے عربی زبان کے اور
کسی زبان میں نہ ہونا چاہیئے اور جو کچھ آجکے ہوا پرست مخترعوں نے از لس جہل
خطبہ کا ترجمہ پڑھنا ایجاد کیا ہے اور اسمیں شعر اور قصے بیان کرتے ہیں سب
بدعت اور خلاف سنت ہے پس میں اب مطلب اصلی میں خداوند برتر پر توکل کرتا
ہوا شروع کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اصل قیام رمضان یعنی نماز تراویح
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باحادیث صحیحہ ثابت ہے۔ چنانچہ منجملہ ان احادیث
کے وہ حدیث ہے جسکی روایت امام بخاری رح نے حضرت ابوہریرہ سے کی کہ انہوں
نے فرمایا کہ میں نے سنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے کہ جو شخص قیام
کرے رمضان میں اخلاص سے اور ثواب کی نیت سے بخشے جائینگے اُس کے
گزشتہ گناہ۔ منجملہ انکے وہ حدیث ہے جسکی روایت امام بیہقی رح نے حضرت
سلمان فارسی سے کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ خطبہ سنایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک طویل خطبہ جسمیں ماہ رمضان کی فضیلت بیان فرمائی۔ اور اسکے آخر میں فرمایا
کہ فرض کیا اللہ تعالیٰ روزہ رکھنا اس مہینے میں اور سنت کردیا قیام لیل کو اسمیں۔ کہا
حافظ ابن حجر رح نے کہ ذکر کیا امام نووی نے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح
ہے۔ منجملہ انکے وہ حدیث جسکی روایت امام احمد امام ابوداؤد۔ امام ترمذی امام
نسائی امام ابن ماجہ نے حضرت ابوذر غفاری سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھا پس قیام نہیں کیا ہمارے ساتھ مہینے
میں کچھ بھی یہاں تک کہ سات دن باقی رہے (اور مہینہ اونتیس دن کا تھا)
پس قیام کیا ہمارے ساتھ (یعنی تیسویں رات کو) یہاں تک کہ گزر گئی تہائی رات
پس جب چھٹی رات آئی (یعنی مہینے کے آخر سے شمار کرتے ہوئے اور وہ انیس
دن والے مہینے میں چوبیسویں رات ہے) قیام نہیں کیا ہمارے ساتھ پھر جب
اُسی حساب سے پانچویں رات آئی کہ فی الحقیقت پچیسویں رات ہے تو قیام کیا
ہمارے ساتھ یہاں تک کہ نصف رات گذر گئی پس عرض کی میں نے (یعنی
ابوذر نے) یا رسول اللہ کاش کہ زیادہ کرتے آپ ہمارے لئے قیام اس رات کا فرمایا
البتہ شخص جب نماز پڑھتا امام کے ساتھ یہاں تک کہ امام فارغ ہوجاوے تو لکھا جاتا

ہے اسکے حق میں قیام ساری رات کا یعنے اگرچہ ساری رات کا قیام نہ کیا ہو پس
جب اس حساب سے چوتھی رات آئی (جو کہ فی الحقیقت چھبیسویں رات تھی) قیام نہیں
کیا ہمارے ساتھ۔ پھر جب تیسری رات آئی (جو کہ فی الحقیقت ستائیسویں رات تھی) جمع
کیا اپنے کنبہ کو اور لوگوں کو پس قیام کیا ہمارے ساتھ یہاں تک کہ ڈر گئے ہم کو فوت ہو جاوے
فلاح۔ عرض کی میں نے کیا مراد ہے فلاح سے فرمایا سحری۔ پھر قیام نہیں کیا ہمارے
ساتھ باقی مہینہ میں۔ استدلال کیا گیا اس حدیث سے اس بات پر کہ نماز تراویح
مسجد میں با جماعت پڑھنا گھر میں تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔ یہی اختیار کیا
امام شافعی نے اور انکے اکثر اصحاب نے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد اور بعض مالکیوں
نے اور وہی مروی ہے حضرت علی بن ابیطالب اور ابن مسعود اور ابی بن کعب اور
سوید بن غفلہ وغیرہ سے بھی۔ منجملہ اُن کے وہ حدیث ہے جسکی روایت امام بخاری
نے حضرت عائشہ سے کی کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بیچ راتکو
رمضان میں نکلے۔ اور مسجد میں تراویح کی نماز پڑی اور کچھ لوگوں نے آپکے پیچھے
پڑھی۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اسکا چرچا کیا پھر دوسری راتکو اس سے
زیادہ لوگ جمع ہوئے اور آپکے ساتھ نماز پڑی۔ صبح کو لوگوں نے اس سے
زیادہ چرچا کیا۔ اور تیسری رات کو بہت لوگ جمع ہوئے آپ برآمد ہوئے اور نماز
پڑھی۔ لوگوں نے بھی آپکے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو اتنے لوگ
جمع ہوئے کہ مسجد میں انکا سمانا مشکل ہو گیا۔ اس شب کو آپ برآمد نہیں
ہوئے۔ یہاں تک کہ صبح کو نماز کیلئے باہر نکلے۔ اور نماز کے بعد لوگوں کیطرف
مخاطب ہو کر پہلے تشہد پڑھی پھر فرمایا اما بعد۔ مجھے معلوم تھا کہ تم یہاں جمع ہو لیکن
میں ڈرا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم سے نہ ہو سکے اسلئے برآمد نہیں ہوا۔
پھر آپ کی وفات ہو گی اور یہی کیفیت قائم رہی۔ پس اس حدیث نے دلالت
کی۔ کہ اگر فرض ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو ہمیشہ انکو اسپر قائم رکھتے۔ منجملہ ان احادیث
کے وہ حدیث ہے جسکی روایت امام ابن ماجہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
سے کی کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے خطبہ میں جو کہ آپ نے
ماہ شعبان کے پچھلے دن میں سنایا (جسمیں ماہ رمضان کی فضیلت بیان فرمائی)

کہ فرض کیا اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنا اس مہینے کا۔ اور میں نے سنت کیا تراویح کو
اس مہینے میں۔ اور استدلال کیا گیا اس حدیث اور اس سے ماقبل احادیث سے
اس بات پر کہ نماز تراویح اور نماز تہجد الگ الگ دو نمازیں مستقل ہیں جنکو
آپس میں یہ فرق ہے کہ نماز تہجد ابتدائے اسلام میں فرض ہوئی تھی۔ پھر آخر میں
ہجرت سے پہلے مسلمانوں پر اسکو اللہ تعالیٰ نے نفل کر دیا جیسا کہ اسپر دلالت
کرتی وہ روایت جو کہ امام مسلم نے سعید بن ہشام سے کی کہ انہوں نے کہا حضرت عائشہ
سے رضی اللہ عنہا مجھے خبر دیکھو قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کہا
کیا تو سورہ مزمل نہیں پڑھتے ہو۔ میں نے کہا ہاں پڑھتا ہوں۔ انہوں نے کہا
پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرض کیا قیام لیل کو اس سورہ کے اول میں پس قیام
کیا نبی اللہ صلعم اور انکے اصحاب نے ایک سال اور روک لیا اللہ تعالیٰ نے آخر سورہ
کو بارہ برس آسمان پر یہاں تک کہ نازل کیا آخر سورہ میں تخفیف پس قیام لیل بعد
اسکے کہ فرض تھا نفل ہو گیا اور کہا محشی شیخ زادہ نے بیضاوی کے حاشیہ میں اور
مشہور کلام عرب سے یہ ہے کہ ہجود سے مراد رات کو نیند ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے
کہ ہجد فلان جبکہ وہ رات کو سو جائے۔ پھر ہم نے شریعت کے اصطلاع میں
دیکھا کہ کہا جاتا ہے۔ اس شخص کے واسطے جو کہ نیند سے جاگ اٹھے اور نماز کے لئے
کھڑا ہو جاوے کہ وہ متہجد ہے اور واجب ہوا کہ یہ کہا جاوے کہ اس شخص کو اسلئے
متہجد کہا جاتا ہے کہ اس نے نیند چھوڑ دی اپنے نفس سے اور تفسیر ثمرات یانعہ میں
ہے کہ تہجد اسکے معنے نیند کے بعد اٹھنے کے ہیں اور یہ معنے حضرت علقمہ اور
حضرت اسود سے منقول ہیں اور اسی پر اکثر مفسرین متفق ہیں۔ ختم ہوا کلام صاحب
ثمرات کا۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ازہری سے یوں نقل کیا کہ لیکن ازہری
پس اس نے توسط اختیار کیا اس لفظ کے تفسیر میں اور کہا کہ معروف و مشہور
کلام عرب میں یہ کہ ہاجد کے معنے نائم کے ہیں۔ پھر اسکے بعد ہم نے دیکھا کہ
شریعت کے عرف میں کہا جاتا ہے اس شخص کو جو نیند سے نماز کے لئے اٹھے کہ وہ
متہجد ہے۔ پس واجب ہوا کہ حمل کیا جاوے۔ یہ اس بات پر کہ نیند سے جاگ
کر نماز کیطرف کھڑا ہونے والے کو اسلئے متہجد کہتے ہیں کہ اس نے نیند اپنے

نفس سے دُور کئی ہوتی ہے ۔ اور کہا علامہ ابن سعود نے اپنے تفسیر میں کہ فتہجد بہ یعنی دور کر اور چھوڑ دے نیند کو اسلئے کہ صیغہ تفعل ازالہ کے لئے آتا ہے جیساکہ تُخرجُ اور تحنث اور تأثم ۔ اور اسکے نظائر ختم ہوا اسکا کلام ۔ اور یہ تمام اقوال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نماز تہجد مغائر ہے نماز تراویح سے اور وہ حاصل نہیں ہوتا ہے مگر بعد نیند کے اور تراویح مشروع نہیں ہوا مگر نیند سے پہلے جیساکہ اُسپر دلالت کرتا حدیث ابو ذر کا جو کہ گذر گیا اور یہ بھی دلیل ہے کہ نماز تراویح کبھی کسی وقت میں فرض نہیں ہوئی ۔ بلکہ وہ سنت مقرر دیا رسول اللہ صلعم نے رمضان شریف کے روزہ فرض ہونیکے بعد جیساکہ دلالت کرتا ہے اسپر فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ سنت کر دیا میں نے قیام اسکے کو ۔ پس معلوم ہوا کہ تراویح تہجد کے سوا اور ایک نماز ہے جو کہ خاص ماہ رمضان ہی میں ہوتی ہے اور تہجد بھی الگ ایک نماز ہے جو کہ رمضان و غیر رمضان میں برابر اور مساوی ہے اور اسپر دلالت کرتا ہے حدیث ابی سلمۃ بن عبد الرحمن بھی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضہ سے پوچھا کیونکہ تھی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے ۔ اور یہی ہے تہجد کی شان ہوا کرتی ہے یعنی سال بھر ایک ہی طرح ہوتا ہے اور رمضان شریف سے کوئی خصوصیت نہیں ہوتی ہے ۔

تراویح کی تعداد رکعات کی تحقیقات

جان تو خدا تجھے رحم کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں کوئی عدد معین ثابت نہیں اور جو کچھ اس بارے میں وارد ہوا ہے تو وہ ضعف و گفتگو سے خالی نہیں جیساکہ آئندہ اسکی تحقیق آئیگی پس تو انتظار کر اسکی ۔ اور لیکن استدلال کرنا ساتھ حدیث حضرت عائشہ رضہ کے جو کہ امام بخاری نے نکالا ہے تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر پس وہ ہرگز صحیح نہیں ۔ اسلئے کہ ہم ذکر آئے ہیں کہ وہ حدیث تراویح کے باب سے کچھ تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ اس نماز کی عدد رکعت بیان کرنے کیلئے بیان گیا ہے جسکو رمضان شریف سے کوئی خصوصیت

نہیں اور وہ تہجد کی نماز ہے پس تحقیق نبی کریمؐ وہ نماز ہمیشہ سال بھر رمضان وغیر رمضان میں آٹھ ہی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پس اس حدیث سے نماز تراویح کے تعلق رکعات پر حجت قائم نہیں ہوسکتی ہے۔ اور کہا قسطلانی نے کہ بہر حال حضرت عائشہ رضؓ کا یہ قول کہ نہیں زیادہ کرتے تھے نبی کریمؐ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر تو اسکو ہمارے اصحاب (یعنے شوافع) نے صلوٰۃ وتر پر حمل کیا۔ میں کہتا ہوں کہ شاید امام بخاریؒ نے بھی حدیث عائشہ کو اس لئے مؤخر کیا باب تراویح میں کہ اسمیں تراویح کی عدد رکعات پر صراحت نہیں تھی، صرف طرزاً للباب یا اسکو ایک قسم کی ذراسی مناسبت ہونے کیوجہ سے باب تراویح میں لایا۔ اور اصل حقیقت سوائے اللہ کے اور کسی کو معلوم نہیں اور اگر تسلیم بھی کیا جاوے کہ حدیث عائشہ تراویح (جوکہ تہجد پر بھی شامل ہے) کیساتھ بھی تعلق رکھتا ہے تب بھی یہ ثابت نہوگا کہ دائمی طور پر کاینۃً یہی معمول تھا۔ بلکہ کہا جائیگا کہ اکثر یا کبھی کبھی ایسا ہوا کرتا تھا اور اگر یہ نہ مانا جاوے تو پھر اسکے معارض دوسرا حدیث جسکی روایت امام مالکؒ نے خود حضرت عائشہ سے کی ہے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر پڑھتے تھے جب سنتے تھے صبح کی اذان دو رکعتیں ہلکی۔ اور وہ حدیث بھی اس کے معارض ہوتا ہے جسکے راوی امام مسلم ہیں وہ بھی خود حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اتنی زیادہ عبادت کرتے تھے جتنی کہ اور مہینوں میں نہیں کرتے تھے۔ اور وہ حدیث بھی جسکی روایت امام بیہقی حضرت عائشہ سے ہی کرتے تھے کہ انہوں نے کہا کہ تھے آنحضرتؐ جبکہ داخل ہوتا تھا ماہ رمضان تو نہ آتے تھے بستر پر یہاں تک کہ نکل جاتا۔ پس تحقیق یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں بہ نسبت اور مہینوں کے بہت زیادہ عبادت کرتے تھے۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جاوے کہ تمام سال میں انکی عبادت یکساں تھی تو پھر کثرت اجتہاد فی العبادۃ کے معنے حاصل نہیں ہوتے ہیں۔ پس خوب سمجھ لے۔ پس یہاں استدلال کرنا تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر اس حدیث سے جسکی روایت امام طبرانی نے معجم صغیر میں اور محمد بن نصر نے قیام اللیل

ہیں اور ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اپنے صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کی کہ انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ساتھ ہمارے رمضان شریف میں آٹھ رکعتیں۔ پس اسکی سند میں ضعف ہے اسلئے کہ اسکے تمام سندوں میں ایک راوی عیسی بن جاریہ پڑتا ہے اور وہ ایک ایسا راوی ہے کہ اسکے حق میں محدثوں نے کلام کیا ہے۔ چنانچہ امام ذہبی نے انکے حق میں کہا کہ کہا ابن معین نے کہ اسکے یہاں بہت سے احادیث منکر پائے جاتے ہیں۔ اور امام نسائی نے بھی اسکو منکر الحدیث کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا کہ اسمیں لین یعنے ضعف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس قدر ضعیف ہوگا۔ اس کے حدیث سے کیونکر استدلال کرنا درست ہوگا۔ جبکہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بتحقیق منکر الحدیث ہونا کسی شخص سزاوار کر دیتا ہے ایسا تکو کہ اسکا حدیث ترک کیا جاوئے۔ اب رہا استدلال کرنا جمہور کا اس بات پر کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں اُس حدیث سے جسکی روایت استاد امام بخاری ابوبکر بن ابی شیبہ نے کی ہے اپنے مصنف میں۔ اور عبد بن حمید کسی نے اپنے مسند میں اور امام بغوی نے اپنے کتاب میں اور طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں۔ اور بیہقی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے علاوہ وتر کے۔ پس اسمیں بھی اگرچہ ضعف ہے جبکہ امام بیہقی نے اسکو بروایت ابراہیم بن عثمان جو کہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ہیں ضعیف کہا ہے کیونکہ وہ راوی یعنی ابراہیم ضعیف ہے۔ اور کہا حافظ نے فتح الباری میں کہ ابراہیم کی اس روایت کو علاوہ ضعیف ہونے کے حدیث عائشہ رض سے جو کہ صحیح ہے۔ تعارض ہوتا ہے یعنی نہیں زیادہ کرتے تھے آنحضرت ؐ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر اور اسکے علاوہ حضرت عائشہ رض بہ نسبت اوروں کے نبی کریم کے حالات پر زیادہ واقف تھیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی کا ابراہیم بن عثمان یعنے ابی شیبہ کی تضعیف کرنا ایسا ہے جیسا کہ اور محدثوں نے عیسی بن جاریہ کی تضعیف کی ہے چنانچہ حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فرماتے ہیں

کہ ابو شیبہ یعنے ابراہیم اتنا ضعیف راوی نہیں کہ اسکی روایت کلیتہً ترک کیجاوے
آئندہ ان کا قول مفصل طور آتا ہے انشاء اللہ تعالےٰ اور حضرت مولیٰنا عبدالحی صاحب
لکھنوی بھی فرماتے ہیں کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ ایک ضعیف
راوی ہے جو کہ تمام محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے یہاں تک کہ اس کا
ضعف محدثین کے نزدیک ضرب المثل ہوگیا چنانچہ پوشیدہ نہیں اس شخص پر جس نے
حافظ ابن حجر عسقلانی کے تہذیب التہذیب کا مطالعہ کیا ہو۔ اور باوجود اس
شدید ضعف کے محدثوں نے اس کی روایت قبول کی۔ میں حیران ہوں اور کچھ پتہ
نہیں چلتا ہے کہ ابراہیم بن عثمان یعنے ابو شیبہ نے کون بڑا جرم ایسا کیا ہے کہ
اسکی روایت قبول نہیں کیجاتی ہے حالانکہ وہ ابن لہیعہ یا عیسیٰ بن جاریہ جیسا
ضعیف راوی نہیں ہے لیکن حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ اس حدیث کا معارض حدیث
عائشہ ہے۔ جو ذکر کیا گیا۔ پس اس کا جواب پیچھے گزر چکا کہ حدیث عائشہ نماز
تہجد کے بیان رکعات سے تعلق رکھتا ہے نماز تراویح کے ساتھ اسکو کچھ تعلق نہیں
علاوہ اسکے حدیث عائشہ کو بھی اور حدیثوں سے تعارض ہے جیسا کہ تمکو معلوم ہوچکا
ہے اور حافظ کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضہ بہ نسبت اوروں کے زیادہ واقف تھیں
نبی کریم صلعم کے حالات پر۔ پس وہ درست نہیں کیونکہ آنحضرت صلعم کی ازدواج مطہرات
سب کے سب رانکی حالات جاننے میں مساوی اور برابر تھیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ
حضرت عبداللہ بن عباس رضہ نے آنحضرت کا بیس رکعتیں پڑھنا باقی ازدواج طاہرات
میں سے کسی سے سنا ہوگا۔ بلکہ بعید نہیں کہ انہوں نے خود اپنی خالہ جان حضرت میمونہ
سے سنا ہو یا خود اپنی آنکھوں سے خالہ جان کے گھر میں دیکھا ہو کیونکہ وہ کبھی
کبھی اپنی خالہ جان کے گھر میں رانکو رہا کرتے تھے۔ اور جو یہ کہا گیا کہ علامہ سیوطی
نے کہا ہے کہ نبی کریم صلعم سے بیس رکعتیں ثابت ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر انہوں نے کبھی
اگرچہ ایک ہی دفعہ بیس رکعتیں پڑھی ہوتیں تو ہرگز انکو نہ چھوڑ دیتے کبھی اسلئے کہ
آنحضرت صلعم جب کوئی عمل شروع فرماتے تو اسپر مواظبت فرماتے تھے نیز اگر کبھی آپ نے
بیس رکعتیں پڑھے ہوتیں۔ تو حضرت عائشہ سے وہ امر پوشیدہ رہتا۔ حالانکہ وہ کہتی
ہیں کہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ کبھی آپنے کچھ ہی نہیں پڑھا۔ اسکا جواب دیا

گیا ہے با نرطور کو علامہ سیوطی کا یہ کہنا کہ اگر آپنے کبھی بیس رکعتیں پڑھی ہوئیں اگرچہ ایک ہی دفعہ تو نے چھوڑتے اسکو قابل التفات نہیں اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ رات کو تیرہ رکعتیں اور بعض دفعہ گیارہ رکعتیں اور بعض دفعہ نو رکعتیں اور انکے سوا جو کہ ہم نے ذکر کیا حالانکہ انمیں سے کسی عدد پر مداومت نہیں کی۔ پس اسی طرح ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی رات میں رات کو تمیں سے بیس رکعتیں پڑھی ہونگے۔ اور علامہ سیوطی کا یہ کہنا اگر بیس رکعتیں پڑھنا کبھی واقع ہوتا تو حضرت عائشہ سے پوشیدہ نہ رہتا۔ یہ بھی بہت عجیب ہے کیونکہ نبی کریم ؐ نے ایک دفعہ تیرہ رکعتیں پڑھی حضرت میمونہ کے گھر میں سوائے سنت فجر کے جیسا کہ امام مالک سے روایت کی عبد اللہ بن عباس سے حالانکہ حضرت عائشہ سے پوشیدہ رہا ہے اور اسی طرح نبی کریم ؐ سے نماز چاشت پڑھنا بارہا ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم امام ابوداود امام بیہقی امام احمد بن حنبل اور حاکم۔ اور ابن ابی شیبہ وغیرہ اور امام طبرانی امام دارقطنی اور امام ترمذی۔ اور ابو یعلی موصل امام بزار اور ابن عدی اور امام نسائی اور سعید بن منصور نے روایت کی۔ اور باوجود اسکے حضرت عائشہ پر پوشیدہ ہے چنانچہ انسے امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور امام مسلم نے عبد اللہ بن شقیق سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور امام مسلم نے عبد اللہ بن شقیق سے روایت اور امام سیوطی نے بھی خود اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں نماز چاشت کو لازم نہیں پکڑتے تھے۔ بلکہ اس کے لئے بھی کوئی وقت منجملہ اوقات کے مقرر تھا اسلئے کہ آنحضرت ؐ کبھی حالت سفر میں اور کبھی حالت اقامت میں ہوتے تھے اور حالت اقامت میں ہو کر کبھی مسجد شریف یا حجرات شریفہ میں تشریف فرما ہوتے تھے اور پھر حجرات شریفہ میں ہو کر انکے نو ازواج طاہرات تھے اور آپ نے انمیں باری مقرر فرمائی تھی۔ پس جب ان تمام باتوں کا اعتبار کیا جائے تو ممکن ہے کہ آپکو چاشت کے وقت حضرت عائشہ کے حجرہ شریفہ میں تشریف لانے کا اتفاق نہوا ہوگا۔ مگر کبھی شاذ نادر اور

چونکہ انہوں نے اُن نادر اوقات میں آپ صلعم کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اسلئے جو دیکھا اسکی موافق روایت کی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کا نبی کریم صلعم کے کسی فعل سے انکار کرنا یا اسکو حصر کرنا کسی بات میں اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ اسکے سوا جو کچھ ثابت ہوگا وہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس احتمال ہے کہ آنحضرت صلعم نے بیس رکعتیں تراویح مسجد میں یا حضرت عائشہ کے حجرہ شریفہ کے سوا اور کسی کے حجرہ شریفہ میں پڑھی ہونگی جو کہ پوشیدہ رہا حضرت عائشہ سے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نے گیارہ رکعتیں حضرت عائشہ کے گھر میں پڑھی ہونگی جو کہ پوشیدہ رہا حضرت عائشہ سے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نے گیارہ رکعتیں حضرت عائشہ کے گھر میں پڑھی ہونگی اور وہاں اس سے زیادہ رکعتیں نہ پڑھی ہونگی تو حضرت عائشہ نے بموجب اپنے علم کے خبر دی اور یہاں پر درمیان حدیث جابر جسمیں آٹھ رکعتیں مذکور ہیں اور حدیث ابن عباس جسمیں بیس رکعتیں مذکور ہیں تعارض واقع ہوا ہے پس یہاں پر امام ابوداؤد کے فیصلہ پر عمل کیا جائیگا۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ روایات میں اختلاف ہو تو یہ دیکھا لیا جاوے کہ آپکے صحابہ نے آپکی وفات کے بعد کس طرح عمل کیا جس جانب کو ان حضرات نے اختیار کیا ہوگا وہی راجح اور قابل عمل سمجھی جائیگی پس انکا اجماع انکا عمل اور انکا اہتمام اور ملازمت بیس رکعتوں پر حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں محدثین کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ امام مالک رح اور ابن سعد اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ پس حدیث ابن عباس اگرچہ اس لحاظ سے کہ ابراہیم بن عثمان اسکی سند میں واقع ہے ضعیف ہی ہے لیکن عمل خلفاء اور مواظبت صحابہ کی اس عدد پر جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے سے مؤید اور قوی معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی علامہ دہر مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بزبان فارسی اپنے فتاوی میں فرمایا ہے تراویح کے باب میں جس طرح کہ یہ حدیث صحیح واقع ہوا کہ نہیں زیادہ کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر اسی طرح یہ احادیث صحیحہ بھی وارد ہوئے ہیں کہ کہا حضرت عائشہ نے کہ تھے رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم اسقدر زیادہ کوشش سے ماہ رمضان میں عبادت کرتے تھے جسقدر اور کسی مہینے میں نہیں کرتے تھے روایت کی اسکی امام مسلم نے۔ اور انہی نے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم جب کہ رمضان کا اخیری عشرہ داخل ہوتا ہے تو راتکو خود نماز پڑھتے تھے اور اہل بیت کو بھی جگاتے تھے۔ اور نہایت کوشش اور کمر بستہ ہوکر عبادت کرتے تھے۔ روایت کی اسکی بخاری اور مسلم اور ابوداوٗد اور نسائی نے اور مروی ہے نعمان بن بشیر سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کھڑے ہوئے نبی کریم کیساتھ رمضان میں تیئسویں راتکو رات کے تیسرے حصے تک پھر کھڑے ہوئے انکے ساتھ پچیسویں راتکو نصف شب تک۔ پھر کھڑے ہوئے انکے ساتھ ستائیسویں راتکو رات بھر یہاں تک کہ ہمکو گمان ہوا کہ ہم فلاح نہ پائینگے فلاح سے مراد سحری ہے۔ پس وجہ تطبیق درمیان اُن روایات کے جو کہ آنحضرت کے رمضان میں بہ نسبت اور مہینوں کے نماز میں صریح طور پر زیادتی کیفی و کمی پر دلالت کرتی ہیں اور اس روایت کے کہ جسمیں زیادتی سے انکار ہے اس طرح پر ہے کہ وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے جو کہ رمضان و غیر رمضان میں یکسان تھی جو کہ وتر کے سمیت گیارہ رکعتیں ہوتی تھی۔ اسپر یہ دلیل ہے کہ اس حدیث کا جو راوی یعنی ابوسلمہ ہے۔ اس حدیث کے اخیر میں کہتا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتمیں عرض کی کہ یارسول اللہ کیا آپ وتر سے پہلے سوتے ہیں آپنے فرمایا ای عائشہ تحقیق میری آنکھیں ہی سوتی ہیں اور دل میرا نہیں سوتا ہے۔ روایت کی اسکی بخاری نے اور ظاہر ہے کہ سونا قبل وتر کے صرف نماز تہجد ہی میں متصور ہو سکتا ہے دوسرے نمازوں میں متصور نہیں ہو سکتا ہے اور روایات زیادت نماز تراویح پر محمول ہیں۔ جسکو اُس زمانے کے عرف میں قیام رمضان سے تعبیر کرتے تھے۔ اب ہم اس بحث پر آپہنچے کہ قیام رمضان کتنی رکعتوں سے ادا کرتے تھے۔ تو روایات صحیحہ میں جو کہ لکھے گئے ہیں تعین عدد نہیں آیا ہے لیکن الفاظ مذکورہ سے جو کہ جد و اجتہاد آنحضرت صلعم میں وارد ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسکی عدد بہت تھی اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں بروایت ابن عباس وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بغیر جماعت بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور وتر بھی۔ امام بیہقی نے اس روایت کی تضعیف کی ہے

اسوجہ سے کہ اس حدیث کا راوی ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا اس قدر ضعیف نہیں ہیں کہ انکی روایت چھوڑ دی جاوے۔ ہاں اگر کسی صحیح روایت کے معارض ہوتی تو ضرور ترک کیجاتی۔ لیکن بتحقیق سابقا گذر چکا ہے کہ جو حدیث اس کا معارض ہرگز نہیں ہے۔ پس سلامت باقی رہا اور کیونکہ نہ ہے حالانکہ عمل صحابہ سے مؤید ہے جیسا کہ امام بیہقی نے اپنے سنن میں بسند صحیح روایت کی ثابت بن زید سے کہ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام حضرت عمر بن الخطاب کے عہد خلافت میں رمضان شریف میں تراویح بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور امام مالک نے روایت کی موطا میں تریزید بن رومان سے کہ انہوں نے کہا کہ وہ لوگ حضرت عمر کے زمانے میں تراویح تئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور دوسری روایت گیارہ رکعتیں ہیں تو امام بیہقی نے دونوں روایتوں میں بایں طور جمع کیا کہ ابتداء میں صحابہ کرام نے وہی عدد جو کہ آنحضرت سے نماز تہجد میں مشہور تھا اختیار کیا۔ انمیں علت مشترک ہونے کے وجہ سے اور وہ علت یہ ہے کہ ہر ایک اُن دونوں نمازوں میں سے رات کی نماز ہے لیکن جب انکے نزدیک ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں اس سے زیادہ نمازیں پڑھا کرتے تھے جنکی تعداد بیس تک پہنچتی ہے تو اسکے بعد انہوں نے تئیس رکعتیں پڑھنا اختیار کیا۔ اور اسی عدد پر سب کے سب متفق ہوئے اور اجماع صحابہ منعقد ہونے کے بعد اس عدد کی رعایت کرنا متاخرین کے لئے ضروریات میں سے ہوا۔ اسی وجہ سے فقہائے کرام اس امر میں تشدد کرتے ہیں کیونکہ بہت سے چیزیں ایسی ہیں جنمیں اجماع منعقد ہونے کے بعد اس قدر تاکید شدید پیدا ہوئی ہے جو کہ اجماع ہونے سے پہلے نہیں تھی۔ خصوصًا جبکہ وہ امر متفق علیہ اہل حق کا ایک مسلمہ علامت ہوکر ایسا امر ہو جاوے کہ اس سے اہل بدعت سے امتیاز و فرق ہو۔ اور روزانہ پانچوں وقتوں کی سنتیں جو ہیں اُن میں بھی جو تاکید صحابہ کے زمانے کے بعد پائی گئی وہ اس سے پہلے نہیں تھی جیسا کہ ظاہر ہوگا اس شخص پر جو کہ روایات متعلقہ میں ٹٹولے۔ اور اس عدد کے اختیار کرنے میں اور وجوہات بھی ہیں۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ ماہ رمضان کے سوا جوانکی نماز ہے جسکو تہجد کہتے ہیں اسمیں گیارہ رکعتیں ثابت ہوئے تو رمضان شریف چونکہ

زیادہ عبادت کرنے کا وقت ہے اسلئے اسکا دوگنا کر دیا گیا اور عدد سنن رواتب بھی چونکہ اکثر شوافع کے یہاں دس رکعتیں ہیں تو اس کا دوگنا کرکے بیس تک پہنچا ہے اور تین رکعتیں وتر کی اسکے ساتھ ملا کر کے تئیس ہوتے ہیں۔ بہر حال یہاں پر ایک قاعدہ کلیہ زیر نظر رکھنا چاہیئے جب کبھی اہل حل و عقد کسی شرعی امر میں اجماع و اتفاق کرتے ہیں تو اس وقت انکے قلوب پر اس امر کے دلائل بہت سے طریقوں سے وارد ہوتے ہیں جو کہ بحیثیت مجموعی انکے یقین یا ظن غالب کے باعث ہوتے ہیں تا اینکہ وہ سب ملکر اس امر سے حکم کر دیتے ہیں۔ اور اگر دوسرے لوگ جو کہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ ہر ہر دلیل و ماخذ پر نظر کریں تو انکے لئے وہ دلائل انفرادی طور پر تیقن یا غلبۂ ظن کے باعث نہونگے، لیکن ان لوگوں کے حق میں وہی اجماع جو ان سے پہلے منعقد ہوا ہے دلیل ہونے میں کافی ہے۔ اس قاعدہ سے بہت سے مسایل نکل آتے ہیں اور اگر متاخرین یہ چاہیں کہ اس اجماع کے سوا ان مسایل میں وہ کوئی دلیل پیدا کریں تو وہ حیران ہو کر رہینگے اور ہرگز ان کو اسپر یقین میسر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دلیل جن سے اجماع منعقد ہوا ہے انکے ذہن میں ہرگز نہیں آسکتی ہیں ختم ہوا کلام شاہ عبدالعزیز صاحب کا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس امر پر خلفاء راشدین نے فعلاً یا تشریعاً عمل کیا ہو تو وہ سنت موکدہ ہے اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لازمی بنالو میری سنت کو اور سنت خلفاء راشدین کو جو کہ ہدایت یاب ہیں کچلیوں سے پکڑو اسے۔ روایت کی اس حدیث کی امام ابوداود وغیرہ نے۔ پس کافی ہے ہمارے لئے بیس رکعتوں کے سنت ہونے کیلئے اجماع و اتفاق کرنا صحابہ کا اور مداومت کرنی انکی اس عدد پر اسلئے کہ نبی کریم ؐ کا ارشاد ہے کہ اکٹھی نہیں ہوگی میری امت گمراہی پر۔ اور سنت جسطرح کہ اس امر پر اسلئے اطلاق کیا جاتا ہے جس پر نبی کریم ؐ نے مواظبت کی ہو اسی طرح اس امر پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے جس پر کہ خلفا نے مواظبت کی ہو چنانچہ تصریح کی اسکی محققوں نے جیسا کہ علامہ وقت ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد کے کتب جمعہ میں فرمایا کہ تحقیق کہ سنت وہ امر ہے جو کہ ثابت ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے یا کام سے یا جو کہ ثابت ہو سنت خلفائے راشدین سے، اور علامہ

ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہ حضرات یعنے ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان ذی النورین علی مرتضیٰ ایسے خلفاء راشدین تھے۔ جنکو از روئے علم وعمل کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اپنا خلیفہ بنا دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خداوند کریم نے فرمایا کہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے ہیں انکا ارشاد میری وحی ہے جو انپر بھیجی جاتی ہے۔ پس اسیطرح انکے خلفائے راشدین جنکے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ لازم پکڑو میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو میرے بعد۔ مضبوط پکڑو اسکو کچلیوں سے پس یہ وہ ہدایت و رشد میں خلیفہ ہیں، پس دور ہوئی اُن سے بوجہ ہدایت کے گمراہی اور بوجہ رشد کے کجروی اور یہی انکا علمی اور عملی کمال ہے۔ اسلیئے کہ گمراہی بے علم ہونا ہے اور کجروی اور غی نفس کی خواہشوں کی اتباع کرنے کا نام ہے۔ ختم ہوا کلام علامہ کا۔ میں کہتا ہوں کہ سنت کی اس تعریف کی بناء پر ثابت ہوا کہ نزاع میں بیس رکعتیں سنت موکدہ ہیں اسلیئے کہ خلفائے ثلثہ سے بیس رکعتوں پر مواظبت ثابت ہے جیسا کہ آگے اسکی تحقیق آتی ہے انشاءاللہ تعالےٰ پس تو انتظار کر۔ جب یہ ثابت ہوا تو جو شخص تراویح آٹھ رکعتوں سے ادا کرتا ہو وہ سنت موکدہ کا تارک ہوگا۔ دوسری عبارت سے یوں کہا جائیگا کہ بیس رکعتوں پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہے اور ہر وہ چیز جس پر خلفاء نے مواظبت کی ہو سنت موکدہ ہوتا ہے پس بیس رکعتیں تراویح میں سنت موکدہ ہیں اور اسکے ساتھ دوسرا مقدمہ ملایا جائیگا کہ تارک سنت موکدہ معتوب اور مستحق ہوگا۔ اور دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے ہمیشہ باجماعت تراویح پر بطور ارشاد یا عملی طور سے مواظبت کی ہے وہ حدیث جسکی روایت امام بخاری نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبد سے کی ہے کہ تحقیق انہوں نے کہا کہ میں رمضان کی ایک رات میں حضرت عمر رضؓ کے ساتھ مسجد میں گیا پس دیکھتا کیا ہوں کہ لوگ الگ الگ جھنڈ میں کہیں ایک ہی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے اور کہیں کسی کے پیچھے پانچ دس آدمی ہیں پس حضرت عمر نے کہا کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری کے پیچھے اکٹھا کردوں تو اچھا ہوگا۔ پھر انہوں نے یہی ٹھانکر ان سبکو ابی بن کعب

کے منقضی کردیا۔ پھر میں اس کے ساتھ نکلا دوسرے ایک رات کو اور لوگ نماز
پڑھتے تھے اپنے امام کے پیچھے تو حضرت عمر رضی نے کہا کہ کیا اچھی بدعت ہوئی یہ لیکن وہ
نماز جس سے وہ سوتے ہیں بہتر ہے بنسبت اسی نماز کے جسکو وہ لوگ ادا کرتے
ہیں مراد انکا آخر لیل ہے اور لوگ اول لیل کو نماز ادا کرتے تھے اور کہا بدرالدین
عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کے بحث طہارت میں کہ سیرت حضرت ابوبکر حضرت عمر رض
ایسی ہے کہ اسکی متابعت کرنے میں بلا شک و شبہ ثواب ہے اور نکرنے میں عذاب
ہے اسلئے کہ ہم انکی اقتداء کرنے کے لئے مامور ہیں جیسا کہ ارشاد آنحضرت صلعم ہے کہ اقتدا
کرو تم اُن دو کی جو میرے بعد ہیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رض کی پس جب
انکی اقتداء اور پیروی کرنے کے لئے امر ثابت ہوا ہے تو اقتدا واجب ہوا اور تارک
واجب مستحق عذاب و عتاب ہوگا۔ اور امام طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ
حضرت عمر کا (اچھی بدعت ہوئی یہ) کہنے سے مراد نماز تراویح ہے اور یہ کلمہ
معرض مدح میں کہا گیا ہے اسلئے کہ تراویح افعال خیر میں سے ایک فعل ہے
اور اس میں رغبت دلائی گئی نماز تراویح بجماعت پڑھنے کی طرف جو کہ مستحب
ہے اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں جماعت نہیں ہوا کرتی تھی۔ لیکن
نبی کریم صلعم نے تو خود بذات مبارکہ نماز تراویح میں جماعت کی ہے اور آپ
علیہ السلام نے اسکو منقطع نہیں فرمایا مگر صرف اس بات کے ڈر سے کہ کہیں
امت پر فرض نہو جاوے اور حضرت عمر رض ہی نے اسکی اعلان فرما کر اسکو سنت
دائمی قرار دیا پس انکو اس کا ثواب اور عمل کرنے والوں کا ثواب قیامت تک
جاری ہے اور روایت کی فقیہ ابو اللیث نے تنبیہ الغافلین میں اپنے والد سے
کہ انہوں نے روایت حضرت علی سے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر نے مسئلہ
تراویح کو نہیں لیا مگر اس حدیث سے جو کہ انہوں نے مجھسے سنا لوگوں نے پوچھا
اے امیر المومنین وہ کونسی حدیث ہے تو فرمایا کہ میں سنا رسول اللہ صلعم کو
فرماتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کو عرش کے اردگرد ایک جگہ ہے جس کا نام خطیرۃ
القدس ہے وہ جگہ نور کی بنی ہوئی ہے۔ اُسمیں اتنے ملائکہ ہیں جنکی تعداد
و شمار سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔ وہی اللہ کی عبادت کرتے ہیں

اور اس سے کسی وقت نکال یا سستی نہیں پاتے ہیں پس جب رمضان شریف
کی راتیں ہوتی ہیں تو وہ ملائکہ اپنے پروردگار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ
زمین پر اُتر کر نبی آدم کے ساتھ نماز پڑھیں چنانچہ انکو اجازت ملتی ہے
اور وہ ہر رات کو زمین پر اُتر کر نبی آدم کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں پس ہر وہ
شخص کہ اُنسے چھوٹے یا وہ کسی سے چھوئیں تو وہ شخص سعادتمندی پاتا ہے
ایسی سعادتمندی کہ اس کے بعد شقاوت کا خطرہ نہیں جب یہ حدیث حضرت
عمر نے سنی تو کہا کہ ہم زیادہ مستحق ہیں اس سعادت کے چنانچہ اسی بنا پر لوگوں کو
تراویح کیلئے جمع کیا اور ابی بن کعب کو امام مقرر کر دیا۔ کہا حافظ نے کہ حضرت عمر
نے تراویح کو بدعت اسلئے کہا کہ اصل لغت کے اعتبار سے بدعت اس چیز کو
کو کہتے ہیں جسکی مثال سابق زمانے میں نہیں گذری ہوگی اگرچہ شریعت میں
لفظ بدعت سنت کے مقابلہ بولا جاتا ہے لیکن یہاں وہ مراد نہیں۔ اور کہا امام
قسطانی نے کہ تحقیق حضرت عمر نے لفظ نعمت البدعہ کہنے سے سخت رغبت دلائی
تراویح کی طرف اسلئے کہ لفظ نعم تمام خوبیوں کو جمع کرتا ہے جب کہ لفظ بئس تمام
برائیوں کو جمع کرتا ہے اور قیام رمضان ہرگز بدعت جو کہ خلاف سنت ہے نہیں
ہوسکتا ہے۔ اسلئے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ اقتداء اور پیروی کرو
میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پس جب تمام صحابہ حضرت عمر کیساتھ نماز تراویح
قائم کرنے پر متفق و مجتمع ہوئے تو اس سے نام بدعت بھی نہ رہا۔ ختم ہوا کلام
قسطلانی کا اور جو شخص یہ کہے کہ بدعت میں سے کوئی بدعت قابل مدح نہیں ہے
بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے تو اُسنے نہایت بے ادبی کی اس صاحب کی نسبت جو کہ
بصواب بولتے تھے۔ یعنی حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضؓ اور ایسا کہنا نافہم
و ناسمجھ ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حضرت عمر رضؓ ضرور حدیث کل بدعۃ ضلالۃ
کو بہ نسبت معترض بے ادب کے زیادہ جانتے تھے۔ اور شرعۃ الاسلام میں ہے کہ مراد اس
سنت سے جسکا تمسک کرنا واجب ہے وہ سنت ہے جس پر قرون ثلثۃ کا عمل
درآمد تھا کیونکہ انکی بہتری و نیک بختی و ہدایت یاب ہونیکی گواہی خود نبی کریم صلعم نے
دی ہے اور وہ خلفای راشدین اور وہ اصحاب جو کہ حضرت سید عالم کے ہمعصر

تھے۔ پھر انکے بعد حضرات تابعین اور انکے بعد حضرات تبع تابعین ہیں پس جو کچھ
ان قرون ثلثہ کے بعد انکے طریقہ کے خلاف مقرر کیا جاوے تو وہ بدعت ہے اور
ہر بدعت گمراہی ہے اور بتحقیق حضرات صحابہ رضا سخت ممانعت تھے اس شخص پر
جو کوئی نو ایجاد رسم قائم کرتا جس کا عہد نبوت میں کوئی ثبوت نہ ہوتا تھا۔ چاہے
وہ کام تھوڑا سا ہوتا یا زیادہ چھوٹا سا کام ہوتا یا بڑا سا ختم ہوا کلام۔ اور کہا
یعقوب بن سید علی رومی نے مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام میں کہ مراد یہ ہے
کہ جو کوئی بدعت دین میں قرون ثلثہ کے خلاف ہو تو وہ گمراہی ہے ورنہ یہ تو متحقق
امر ہے کہ بدعت کے کئی قسمیں ہیں جنمیں سے بعض بدعت حسنہ اور مقبولہ ہے جیسا
کہ علوم شرعیہ کے ساتھ اشتغال رکھنا اور اس کا لکھنا۔ اور بعض انمیں سے بدعت
سیئہ مردودہ ہیں اور وہ ایسے امور ہیں جو کہ قرون ثلثہ کے بعد برخلاف انکے طریقہ
کے ایجاد کئے گئے ہیں ایسے امور کو اگر وہ اسپر مطلع ہوتے تو ضرور ممانعت کرتے
اور طریقہ محمدیہ میں ہے (جو کہ محمد افندی برکلی رومی کی کتاب ہے) کہ اگر کہا
جاوے کہ کیونکر ارشاد نبوی اور قول فقہاء میں تطبیق دیجا سکتی ہے، کیونکہ
ارشاد نبوی کل بدعۃ ضلالۃ ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ بدعت کبھی مباح ہوتی
ہے جیسا کہ چھلنی کا استعمال کرنا اور ہمیشہ گندم کا استعمال کرنا اور اس سے
پیٹ بھر کے کھانا اور کبھی مستحب بھی ہوتی ہیں جیسا کہ مدرسے اور مینارے
بنانا اور کتابیں تصنیف کرنا۔ بلکہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے جیسا کہ ملحدوں کے شبہات
دور کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا اور اسکے مانند اور چیزیں ہم جواب دیتے ہیں کہ
بدعت کے دو معنے ہوتے ہیں ایک لغوی جو کہ عام ہے وہ ہر ایک نئی بات چاہے
وہ از قسم عادت ہو یا عبادت اسلئے کہ بدعت مشتق ہے ابتداع بمعنے احداث
سے جیسے رفعت ارتفاع ہے اور خلفت اختلاف سے اور یہی مقسم ہے
عبارت فقہاء میں۔ اور وہ اس سے ہر وہ کام جو کہ صحابہ کرام کے زمانہ کے
بعد ایجاد ہوا ہو مراد لیتے ہیں بغیر کسی قید کے۔ اور دوسرا معنے شرعی جو کہ خاص ہے
اور وہ زیادتی یا کمی کرنا ہے دین کے امورات میں جو زیادتی وکمی حضرات صحابہ
کے بعد شارع علیہ السلام کے اذن کے بغیر واقع ہوئی ہو اور شارع نے نہ قولاً نہ

فعلاً نہ صراحتہً نہ اشارتہً اذن دیا ہو۔ پس یہ معنے بدعت کے عادات کو ہرگز شامل نہیں ہے بلکہ یہ خاص بعض عقائد اور عبادات کے بعض صورتوں کو شامل ہے پس یہی بدعت یعنے بدعت شرعیہ ارشاد نبوی میں مراد ہے۔ اور اس کی دلیل حدیث علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الرشدین اور دوسری دلیل فرمانا آنحضرت کا تم لوگ دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو اور تیسری دلیل آپ کا ارشاد کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو کہ دین میں سے نہ ہو تو وہ کام مردود ہے اور طریقہ محمدیہ کے حاشیہ میں ہے (جو کہ خواجہ زادہ نے کیا ہے) قولہ بعد الصحابہ یہ اسلئے کہا ہے کہ جو کام خلفاء راشدین کے زمانے میں ایجاد ہوا ہو تو وہ بدعت نہیں کہلاتا ہے اسلئے انکی سنت مثل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ ہی نے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا ارشاد فرمایا ہے ختم ہوا۔ اور حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (جو کہ عبد الغنی نابلسی کی تصنیف ہے) مصنف کے اس قول (البد صدر الاول) کے بعد یہ ہے کہ صدر اول سے سلف صالحین صحابہ کرام جو کہ عہد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں متقدم تھے مراد ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لازم بنالو تو میری سنتکو اور خلفائے راشدین کی سنتکو میرے بعد پس جو امر انکے زمانہ میں ایجاد ہوا ہو تو وہ بدعت نہیں بلکہ بدعت وہ امر ہے جو کہ انکے زمانے اور تابعین صحابہ کے زمانے اور تبع تابعین کے زمانے کے بعد ایجاد ہوا ہو۔ ختم ہوا۔ پس یہ تمام اقوال علماء کرام کے صاف اور صراحتہً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو امر صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانے میں کسی کے انکار کے بغیر قرار پایا ہو تو وہ بدعت میں ہرگز داخل نہیں اور اسپر عمل کرنا ہرگز گمراہی نہیں۔ اور تفصیل اسکی اس مقام پر یوں ہے کہ جو کچھ کہ عہد نبی کریم ؐ میں ثابت ہوا ہو چاہے وہ خود آپ ؐ علیہ السلام کا فعل ہو یا فعل صحابہ ہو جس پر کہ آپنے تائید کی ہو تو اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ہرگز بدعت نہیں۔ اور جو امر عہد نبوت میں ثابت نہو بلکہ آپکے بعد پایا گیا ہو تو وہ بدعت بمعنے عام ہے یعنے مطلق کوئی نیا کام جو کہ عہد نبوت کے بعد ہو۔ اور یہ خالی نہیں ہے اس بات

سے کہ وہ یا ازقسم عادات ہوگا یا ازقسم عبادات پس اگر ازقسم عادات ہوگا تو
وہ ہرگز بدعت ضلالہ میں داخل نہیں جب تک کہ اسکی قباحت پر کوئی دلیل شرعی
قائم نہ ہو ۔ اور اگر ازقسم عبادات ہو تو وہ اس بات سے خالی نہیں کہ یا تو وہ امر
صحابہ کرام کے زمانے میں حادث ہوا ہوا اس طرح پر کہ انمیں سے سب نے یا بعض
نے اسکام کو کیا ہو ۔ یا انکے زمانے میں کسی شخص نے کیا ہو اور انکو بھی اسکی اطلاع
ہوئی ہو یا وہ امر تابعین کے زمانے میں حادث ہوا ہو یا تبع تابعین کے زمانے میں حادث
ہوا ہو ۔ یا اس کے بعد یعنے قرون ثلاثہ کے بعد ہمارے زمانے تک کسی وقت کسی
زمانے حادث ہوا ہو ۔ پس جو کچھ صحابے کے زمانے میں حادث ہوا ہو تو وہ دو حال
سے خالی نہیں یا تو اسپر انکا انکار بھی پایا گیا ہو ۔ پس پہلی قسم بدعت اور گمراہی
ہے کہ کل بدعتہ ضلالتہ کے اندر داخل ہے ۔ مثال اسکی خطبہ پڑھنا نماز عید سے
پہلے ہے جو کہ مروان بن حکم نے کیا تھا ۔ اور اسپر ابو سعید خدری نے انکار کیا جیسا کہ امام
بخاری وغیرہ نے ابو سعید خدری رضؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ تھے نبی کریم صؐ کو نکلتے
تھے عید فطر اور عید ضحی کو عیدگاہ میں پس سب سے پہلے جس کام سے ابتداء کرتے تھے وہ
نماز ہوتی تھی ۔ پھر اس کے بعد اس سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے
ہوتے تھے ۔ اور لوگ صفوں پر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے پس آپ وعظ اور وصیت
اور امر فرماتے تھے پس لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ میں ایک دفعہ
مروان کے ساتھ جب کہ وہ امیر مدینہ تھا ۔ عید ضحی یا عید فطر میں نکلا ۔ پس جب
پہنچے ہم عیدگاہ میں تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک منبر جو کہ کثیر بن صلت
نے بنایا تھا رکھا ہوا ہے اور مروان نماز سے پہلے اسپر چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے
تو میں نے اس کے کپڑے کو کھینچا ۔ لیکن اسنے کپڑے کو میرے ہاتھ چھڑا کر منبر پر
چڑھ گیا ۔ پس اس نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا تو میں نے کہا کہ قسم خدا کی تم
لوگوں نے طریقہ نبوی کو بگاڑ دیا ۔ پس مروان نے کہا اے ابو سعید جو تجھکو معلوم
ہے وہ تو گزر گیا میں نے کہا خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں وہی بہتر ہے اس سے جو کہ
میں نہیں جانتا ہوں ۔ پھر مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد نہیں بیٹھتے ہیں اسلئے
میں نے خطبہ ہی کو نماز سے پہلے پڑھنا شروع کیا ہے اور اسیطرح ہاتھ اٹھانا دعا

کیلئے درمیان خطبہ کے۔ اس کام کو پہلے بشر بن مروان نے کیا۔ اور اسکی مخالفت حضرت عمارہؓ نے کی جب کہ امام مسلم اور ابوداؤد وغیرہما نے حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ کہا انہوں نے کہ عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو خطبہ جمعہ میں ہاتھ اٹھاکر دعا کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اسکو بد دعا دی اور کہا کہ برا کرے اللہ تعالےٰ ان دونوں ہاتھوں کا تحقیق دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر تشریف رکھتے ہوئے اور وہ اسپر زیادہ نہیں کرتے تھے یعنے شہادت کی انگلی پر اپنی صرف اسکو اٹھاتے تھے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ اسپر انہوں نے مخالفت اور انکار نہ کیا ہو۔ بلکہ انسے رضامندی اور موافقت ثابت ہوئی ہو پس وہ بدعت شرعی نہیں اگرچہ اسپر بدعت بمعنے العام کا لفظ اطلاق ہو سکتا ہے لیکن جب اسکو حسنہ سے قید کی جائیگی تو عموم سے نکل جائیگا۔ اور اسکی دوسری مثال جمعہ کی پہلی اذان ہے جیسا کہ امام بخاری اور ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہ نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ پہلی اذان جمعہ کی اس وقت ہوتی تھی جبکہ امام منبر پر چڑھتا تھا اور یہی عمل عہد نبوی اور خلافت ابوبکر اور عمرؓ میں تھا۔ پس جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگ بہت کثرت جمع ہونے لگے تو حضرت عثمان نے تیسری اذان زوراء پر زیادہ کی۔ کہا امام نووی نے کہ یہ اذان تیسری اذان اسلئے ہوئی کہ اقامت بھی ایک اذان کہلائی جاتی ہے۔ اور اسی کی دوسری مثال متعدد جگہ ایک ہی شہر میں نماز عید ادا کرنا ہے جب کہ علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں کہا کہ یہ کام یعنے متعدد جگہ نماز عید پڑھنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت میں جاری کیا ہے چنانچہ انہوں نے جامع کوفہ میں دوسری نماز عید پڑھوائی اسلئے کہ مشہور و معروف سنت نبی کریمؐ اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذی النورین یہی تھا کہ ایک شہر میں سوائے ایک جگہ کے نماز جمعہ اور کسی جگہ ادا نہ کیا جاوے علی ہذا القیاس عید الضحیٰ اور عید الفطر میں سوائے ایک جگہ کے نماز عید اور کسی جگہ ادا نہ کیجائے۔ پس جب عہد خلافت حضرت علی تھا تو انسے درخواست کی گئی کہ شہر میں بہت ضعیف لوگ جو کہ عیدگاہ میں نہیں جاسکتے ہیں موجود ہیں انکو شہر ہی میں نماز عید ادا کرنیکی اجازت دیجاوے تو انہوں نے

درخواست منظور کر کے ایک شخص کو خلیفہ بنایا جسنے ان لوگون کو جامع مسجد میں عید نماز پڑھائی اور تیسری مثال اسکی عام لوگونکو نصیحت کرنا ہے جسکو ہمارے عرف میں وعظ کہتے ہیں جیسا کہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی مصری مؤرخ نے کتاب المواعیظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار میں کہ ذکر کیا عمر بن شبیہ نے کہ سوال کیا گیا حسن بصری سے کہ یہ وعظ خوانی کب سے جاری ہوئی انہوں نے کہا یہ خلافت حضرت عثمان میں جاری ہوئی۔ پھر انسے پوچھا گیا کہ پہلے کس نے وعظ خوانی کی۔ کہا کہ تمیم داری نے۔ اور ابن شہاب سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے کہا کہ اول جس نے وعظ خوانی کی مسجد نبوی میں وہ تمیم داری تھے انہوں نے پہلے حضرت عمر سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ لوگوں کو وعظ کیا کرے لیکن حضرت عمر نے اجازت نہ دی پھر خلافت کے آخری زمانہ میں جمعہ کے دن وعظ کرنے کی اجازت دی بشرطیکہ حضرت عمر کے خطبہ کے لئے نکلنے سے پہلے ہو۔ پھر حضرت عثمان سے بھی تمیم داری نے اجازت طلب کی تو انہوں نے ہفتہ میں دو دن وعظ پڑھنے کی اجازت عطا کی۔ چنانچہ پھر تمیم داری ایسا ہی کرتے تھے اور چوتھی مثال اسکی (جو کہ مقصود ہے) جمع ہونا رمضان شریف کے راتوں میں تراویح کی بیس رکعتیں ادا کرنے کے لئے ہے یہ امر حضرت عمر رض کے زمانے میں حادث ہوا اور خود حضرت عمر رض نے اس کے حق میں لفظ نعمت البدعۃ فرمایا۔ حضرت عمر نے اسکو باعتبار عام معنے کے بدعت نام رکھا۔ اور اسکی صفت لفظ حسن سے کی تا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ ہر عام محدث ضلالت نہیں ہوتی ہے اور حضرت عمر نے ہرگز معنے شرعی مراد نہیں لیا ہے تا اینکہ کل بدعۃ ضلالۃ کا اشکال وارد ہو اگر وہی معنے مراد ہوتے تو کیونکر لفظ حسن سے کی تا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ ہر عام محدث ضلالت نہیں ہوتی ہے اور حضرت عمر نے ہرگز معنے شرعی مراد نہیں لیا ہے تا اینکہ کل بدعۃ ضلالۃ کا اشکال وارد ہو اگر وہی معنے مراد ہوتے تو کیونکر لفظ حسن سے اسکی صفت فرماتے یہ سارا اقامۃ الحجہ سے نقل کیا گیا۔ اور وہ بات جسکی تصریح علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ وغیرہ میں جو لفظ بدعت آیا ہے اسکے معنی بدعت شرعیہ ہے اور جو لفظ بدعت حضرت عمر رض کے قول میں آیا ہے وہ بدعت لغویہ پر محمول

ہے پس حضرت عمرؓ کے بدعت کو مدح کرنے اور آنحضرتؐ کے بدعت کو ذم کرنے میں کوئی مخالفت نہیں ہوئی۔ ختم ہوا کلام ابن تیمیہ کا۔ اور کہا علامہ شوکانی نے سیل الجرار میں اس مسئلہ پر جسکے الفاظ یہ ہیں کہ میں کہتا کہ لیکن نماز تراویح پس وہ حضرت آنحضرتؐ سے ثابت ہے کہ انہوں نے رمضان شریف کی چند راتوں میں نماز تراویح پڑھی اور ایک جماعت نے انکے پیچھے اقتدا ر بھی کی جنکا پیچھے سے اقتدا کرنا آپکو معلوم بھی ہوا۔ لیکن پھر فرض ہو جانیکے خوف سے اسکو ترک کیا اور یہ صحیح حدیثوں میں ثابت ہے یعنے صحیحین وغیرہ میں۔ اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں نفل نمازیں جماعت سے پڑھنا سنت ہی ہے بدعت ہرگز نہیں اسلئے کہ نبی کریمؐ نے سوائے فرض ہو جانے کے خوف کے اور کسی وجہ سے ترک نہیں کیا۔ اور حدیث ابی ذر میں ہے کہ آنحضرتؐ نے صحابہ کیساتھ رمضان شریف کی راتوں میں نفل نماز الجماعت پڑھی پس کیونکر جماعت بدعت ہو سکتی ہے اور حضرت عمرؓ سے تراویح میں جماعت قائم کرنا واقع نہیں ہو مگر اسی وقت جبکہ وہ مسجد میں نکلے اور لوگونکو الگ الگ جھنڈ میں پایا کہیں ایک شخص الگ نماز پڑھ رہا ہے۔ اور کہیں کسی کے پیچھے پانچ دس آدمی نماز پڑھ رہے ہیں پس حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان سبکو ایک ہی قاری کے پیچھے اکٹھا کر دوں تو اچھا ہوگا۔ پھر انہوں نے یہی ٹھانکر ان سبکو ابی بن کعب کے مقتدی کر دیا۔ پس یہ بات ثابت ہوئی کہ تراویح کی جماعت بعد وفات آنحضرتؐ اور قبل اسکے کہ حضرت عمرؓ نے اسکی جماعت قائم کی مسجد نبوی میں موجود تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز دنکی جماعت رمضان شریف کی راتوں میں سنت ہے ہرگز بدعت نہیں ختم ہوا کلام علامہ شوکانی کا جو کہ نواب صاحب نے عون الباری میں نقل کیا ہے اور کہا ابو الولید باجی مالکی اور ابن التین وغیرہ نے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کو مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا نبی کریمؐ کے ان لوگونکو جنہوں نے آپکے پیچھے اُن چند راتوں میں نماز پڑھی تھی اجازت دینے سے اخذ کیا۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لئے ناپسند فرمایا۔ لیکن ناپسند فرمانا۔ صرف فرض

ہونیکے خوف سے تھا پس جب آپکی وفات ہوئی تو پھر فرض ہونیکا خوف باقی نہ رہا۔ اور حضرت عمر رضؓ کے نزدیک بھی وہی امر رائج ہوا۔ کیونکہ اختلاف میں تفرقہ کا اندیشہ ہے اور اسلئے کہ ایک ہی شخص کے پیچھے جمع ہونے سے اکثر نمازیوں کو زیادہ لطف آتا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کی رائے کیطرف جمہور صحابہ مائل ہوکر سب کا عمل اسی پر جاری رہا یعنی تمام صحابہ اور انکے بعد سارے مسلمان یہی کرتے رہے اور یہ بھی مثل نماز عید کے اسلام کا ایک یادگار مقرر ہوا۔ فتح الباری۔ اور کہا ابن بطال شافعی نے کہ قیام رمضان یعنے تراویح سنت ہے اسلئے کہ حضرت عمر نے اسکو نبی کریم کے فعل سے اخذ کیا اور ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ حضرت عمر نے مقرر نہیں کیا مگر ایسے ایک کام کو جسکی مرضی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی اور نبی کریم صؐ کو مواظبت و مداومت کرنے پر کوئی چیز سوائے خوف فرض ہونے کے مانع نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنی امت کے شفیق اور بڑے مہربان تھے۔ زرقانی اور فتح الباری ملخصا اور اختیار میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ امام ابویوسف نے حضرت امام ابوحنیفہ سے تراویح کے متعلق پوچھا کہ ایک کتاب کا نام ہے! کہ حضرت عمر نے یہ کیا کیا حضرت امام نے فرمایا کہ تراویح سنت موکدہ ہے حضرت عمر نے ہرگز اسکو اپنی طرف سے نہیں نکالا کیونکہ حضرت عمر رضؓ (العیاذ باللہ) کوئی بدعتی نہیں تھے۔ انھوں نے اس کا امر نہیں کیا مگر کسی دلیل اور عہد سے جو کہ انکے پاس موجود تھی رسول اللہ صؐ سے اور اسی طرح بحر الرائق اور تعلیق الانوار میں ہے اور کہا ابن الحاج مالکی نے کتاب المدخل میں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب نماز تراویح مسجد میں جماعت کیساتھ پڑھنا سنت ٹھہرا تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اس سنت کو ترک کرلیا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اس سے بڑھکر ضروری امور میں مصروف تھے جنکی اہمیت دین میں زیادہ تھی مثلاً مرتدوں کے ساتھ جنگ کرنا اور مانعین زکوۃ سے لڑنا اور شہر شام کی طرف لشکر بھیجنا اور مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کرنا اور ان فسادات و فتنوں کو روکنا جو کہ نبی کریم کے انتقال پرملال کے بعد قائم ہوئے تھے۔ باوجود اس کے وہ قرآن مجید کے جمع کرنے کیطرف بھی مشغول تھے۔ اور علاوہ اسکے ان کا

زمانہ خلافت بالکل کم تھا اسلئے انہوں نے اُس امر کی طرف فراغت نہ پائی جس امر کی طرف امیرالمومنین عمر بن الخطاب نے فراغت پائی پس وہ شبہ دور ہو کر حقیقت امر واضح ہوگئی اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عمر رضی نے ہی تراویح کے سنتکو بطریق تشریح زندہ کیا اور اسکو سنہ ۱۴ ہجری میں قائم کرکے ابی بن کعب لوگونکی امامت کیلئے مقرر کیا۔

اب رہی اُن رکعات کی تعداد جو کہ ابی بن کعب لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ پس اسمیں معروف و مشہور جسپر عمل جمہور رہا ہے یہ ہے کہ وہ بیس رکعتیں تھیں، اور جو روایت امام مالک نے سائب بن یزید سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ امر کیا حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو کہ وہ لوگونکو تراویح گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ تو اسمیں عبدالبر مالکی نے کہا کہ امام مالک کے سواء اور راویوں نے اسی روایت میں سائب بن یزید سے بجائے گیارہ رکعتوںکے اکیس رکعتیں نقل کیا ہے اور وہی صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کے راویوں میں سے کسی ایک نے بھی سوائے امام مالک کے گیارہ رکعتوں کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع میں ایسا ہی ہوا ہو پھر اخیر میں طول قیام میں تخفیف کرکے اکیس رکعتیں کردیا ہو مگر میرے نزدیک اغلب یہی ہے کہ لفظ احدی عشرہ وہم راوی ہے یعنے امام مالک کو وہم ہوا ہے۔ ختم ہوا کلام ابن عبدالبر کا۔ امام زرقانی کہتے ہیں کہ جب ان دو روایتوں میں جمع کرنا اس احتمال سے جو کہ ابن عبدالبر نے بھی خود ذکر کیا بالکل قریب ہے تو پھر وہم بتانیکی کیا ضرورت ہے اور اس احتمال مذکور سے امام بیہقی نے بھی کیا جمع ہے اور منجملہ اُن روایات کے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو بیس رکعتیں پڑھنیکا امر فرمایا وہ حدیث جسکی روایت امام مالک نے بسند یزید بن خصیفہ سائب بن یزید سے کی کہ تحقیق حضرت عمر نے ابی بن کعب کو امر کیا کہ وہ نماز تراویح لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھاوے چنانچہ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ محمول ہے سوائے وتر پر اور وہ حدیث ہے جسکی روایت کی امام بیہقی نے یزید بن خصیفہ سے انہوں نے سائب بن یزید سے انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر کے زمانے میں ماہ رمضان میں تراویح بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور

سند اسکی صحیح ہے اور راوی اسکے سب معتبر ہیں اور ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ روایت
کی حارث بن عبدالرحمن بن ابی ذباب نے بھی سائب بن یزید سے کہ انہوں نے کہا
کہ نماز تراویح حضرت عمر کے زمانے میں تیئیس رکعتیں ہوتی تھیں اسکے بعد ابن
عبدالبر نے کہا کہ یہ محمول ہے اس بات پر کہ تین رکعتیں اسمیں سے وتر کیلئے تھیں
اور وہ حدیث جو کہ امام بیہقی نے کتاب السنن والآثار میں دوسری سند سے بروایت
یزید بن خصیفہ از سائب بن یزید لایا ہے چنانچہ وہ سند اسطرح پر ہے کہ
امام بیہقی نے کہا کہ ہمکو خبر دی ابو طاہر فقیہ نے انہوں نے کہا ہمکو خبر دی ہے
ابو عثمان بصری نے انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی ابو احمد محمد بن
عبدالوہاب نے انہوں نے کہا کہ ہمکو خبر دی خالد بن مخلد نے انہوں نے کہا کہ ہم سے
حدیث بیان کی محمد بن جعفر نے انہوں نے کہا کہ مجھے حدیث بیان کی یزید
بن خصیفہ نے وہ روایت کرتے ہیں سائب بن یزید سے انہوں نے کہا کہ ہم
حضرت عمر کے زمانے میں تراویح بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور وہ حدیث
جو کہ استاد امام بخاری یعنے ابو بکر بن ابی شیبہ نے یحیی بن سعید سے روایت
کی کہ تحقیق حضرت عمر نے ایک شخص کو امر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز تراویح
بیس رکعتیں پڑھاوے۔ اور وہ حدیث جسکی روایت ابو بکر بن شیبہ نے
عبدالعزیز بن رفیع سے کہ انہوں نے کہا کہ ابی بن کعب مدینہ پاک میں ماہ رمضان
میں تراویح بیس پڑھتے تھے اور تین رکعت وتر اور روایت کی ابو بکر بن ابی شیبہ
نے عطاء بن رباح سے انہوں نے کہا کہ میں نے مدینہ پاک کے لوگوں کو تیئیس رکعتیں
تراویح پڑھتے ہوئے پایا مع وتر کے۔ اور روایت کی ابو بکر بن ابی شیبہ
نے نافع بن عمر بن عبداللہ سے انہوں نے کہا کہ ابن ملیکہ ہمکو رمضان شریف
میں بیس رکعتیں تراویح پڑھاتے تھے اور سند اسکی صحیح ہے۔ اور روایت کی ابو بکر
بن ابی شیبہ نے سعید بن عبید سے کہ علی بن ربیعہ انکو رمضان شریف میں
پانچ ترویحے پڑھاتے تھے اور وتر تین رکعت اور سند اسکی بھی صحیح۔ اور روایت
کی ابو بکر بن ابی شیبہ نے عبداللہ بن قیس سے انہوں نے روایت کی شتیر بن
شکل سے کہ وہ رمضان شریف میں بیس رکعتیں تراویح پڑھا کرتے تھے اور

روایت کی امام بیہقی نے ابی الخصیف سے کہ انہوں نے کہا کہ ہمکو امامت کرتے تھے سوید بن غفلہ رمضان شریف میں پس نماز تراویح پانچ ترویحے یعنے بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور سند اسکی صحیح ہے اور اسیطرح امام مالکنے بھی یزید بن رومان سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر کے زمانے میں تراویح تیئس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور اسکی سند مرسل قوی ہے اگرچہ دہلوی بعض غیر مقلدوں نے یا از روی تعصب کے یا بسبب کم علمی و قلت عبور کے اس روایت پر منقطع ہونیکا الزام لگایا اور کہا کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا لہذا یہ حدیث منقطع ہے پس میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض ہرگز درست نہیں ہے اور محض بیفائدہ اعتراض ہے۔ اسلیئے کہ حافظ زین الدین عراقی نے کہا (جیا کہ امام سیوطی نے تدریب الراوی میں نقل کیا ہے) کہ حقیقت امر یہ ہے کہ اگر کوئی تابعی کسی صحابہ سے کسی ایسے واقعہ کی روایت کرے جس کو اُسنے خود بھی پایا ہو تو وہ حدیث متصل ہی ہے اور اگر ایسا نہو گا تو وہ حدیث منقطع ہے اور کہا ابن عبد البر مالکی نے کہ موطاء میں جتنے احادیث مرسل وغیرہ ہیں وہ سب کے سب مُسند ہیں یعنے متصل ہیں چنانچہ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی جسمیں موطاء کے تمام مرسل و منقطع اور معضل حدیثونکو سند پیش کرکے موصول ثابت کردیا۔ اور امام سیوطی نے کہا کہ موطاء میں جو کوئی حدیث مرسل ہے وہ باوجود اسکے کہ امام مالک اور انکے ہم خیال ائمہ کے نزدیک بلا کسی شرط کے حجت ہے ہمارے نزدیک بھی حجت ہے گو ہمارے نزدیک حدیث مرسل تب ہی حجت ہے جبکہ وہ دوسری روایات سے مؤید ہو مگر موطاء میں کوئی مرسل حدیث ایسا نہیں جسکو کم از کم ایک مؤید بلکہ بہت سے مؤیدات موجود نہیں ہے۔ پس ٹھیک بات یہ ہے کہ موطاء میں مطلقاً تمام احادیث بلا کسی استثناء کے صحیح ہیں۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے موطاء کی مدح میں فرمایا ہے کہ جس وقت حدیثوں کی کتابوں کا ذکر کیا جائے تو امام مالک کی تصنیف کردہ موطاء لا۔ جو کہ حدیثونکی اعتبار سے صحیح تر اور دلیل کی اعتبار سے قوی تر اور زفقہ حاصل کرنیوالے کو اس سے واضح تر کوئی راستہ نہیں ہے ہر طبقہ

کے لوگوں کا اسپر اتفاق ہے علی رغم الوف کینہ ور حاسدوں کے۔ پس خالص علم دینیات کو موطاء سے لو۔ اور نبی مبارک کی شرع اسی سے حاصل کر اسی کو قصد کی ہاتھوں سے مضبوط پکڑو تو ہدایت پاؤگے اور جو شخص اس سے پھر گیا تو وہ مہالک میں ہلاک ہونیوالا ہے اور کہا امام سیوطی نے وہ منقطع حدیث جو کہ موطاء میں ہو وہ امام مالک کے نزدیک صحیح ہے انکے سوا اور محدثوں نے کہا کہ جس منقطع حدیث کی روایت کوئی ثقہ معتبر راوی کرے جو کہ امام شافعی کے زمانے سے پہلے ہو تو وہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح ہے پس جو اعتراض یزید بن رومان کے حق میں کیا گیا تھا، وہ بالکل دفع ہوا اور کہا حافظ ابن حجر نے کہ ان روایات میں جمع کرنا اختلاف احوال پر حمل کرنے سے ممکن ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اختلاف قرات کے زیادہ کرنے اور کم کرنے سے تھا یعنی جب قراءت قرآن زیادہ کرتے تھے تو اس وقت رکعات میں کمی کرتے تھے اور جب رکعات میں زیادتی کرتے تو قراءت میں کمی کرتے تھے اور کہا قسطلانی نے ان روایات میں جمع کرنے میں کہ جمع کیا بیہقی نے باینطور کہ صحابہ کرام نے ابتداء میں گیارہ رکعتیں تراویح پڑھنا شروع کیا پھر اس کے بعد بیس رکعتیں تراویح اور تین وتر پڑھنا مقرر کیا۔ اور جو کچھ حضرت عمر کے زمانے میں مقرر ہوا اسپر اجماع منعقد ہوا۔ اور کہا سیوطی نے ان روایات کے جمع کرنے میں مصابیح میں کہ حضرت عمرؓ نے جب تراویح پڑھنے کا امر کیا تو شروع میں انہوں نے اس عدد کو اختیار کیا جو کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز تہجد میں منقول تھا۔ پھر آخر میں اس عدد پر زیادتی کر کے بیس رکعتیں مقرر کر دیا۔ اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے کشف الغمہ میں ان روایات کے جمع کرنے میں کہا کہ صحابۂ کرام در ابتدائے زمان خلافت حضرت عمرؓ تراویح تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور انکا امام سوسو آیتیں والے سورتیں پڑھا کرتا تھا جس سے مقتدی طول قیام کی تکلیف کی وجہ سے لاٹھیوں پر تکیہ لگا کر نماز میں کھڑے ہوتے تھے پھر حضرت عمرؓ نے بغرض تخفیف امر کیا کہ اب بجائے تیرہ رکعتوں کے تیئیس رکعتیں پڑھا کرو جسمیں سے تین رکعتیں وتر ہوگی پس یہی حکم تمام بلاد اسلام میں جاری ہوا۔ اور کہا ابوولید باجی نے ان روایات کے

جمع کرنے میں کہ حضرت عمر نے پہلے انکو قرأت دراز پڑھنے کا حکم دیا اسلئے
کہ وہ بہتر ہے۔ پھر جب لوگوں میں ضعف پایا گیا تو پھر حضرت عمر نے تئیس
رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا گویا طول قرأت میں تخفیف کرکے زیادتی رکعات سے
بعض فضیلت و ثواب کو حاصل کیا پس اسی پر عملدرآمد تھا یہاں تک کہ حرہ کی
لڑائی ہوئی پس اتنا قیام بھی لوگوں پر دشوار گزار تو پھر قرأت میں اور کمی کرکے
رکعات میں زیادتی کی گئی چنانچہ چھتیس رکعتیں سوائے شفع و وتر کے کردی
گئی اور کہا ابن حبیب نے ان روایات میں جمع کرتے ہیں کہ تراویح پہلے گیارہ رکعتیں
تھیں جسمیں وہ لوگ طویل قراءت پڑھتے تھے لیکن بعد چندے وہ اُن پر
گران گزرنے لگا پس انہوں نے عدد رکعات میں زیادتی کرکے قراءت میں
تخفیف کی اور بیس رکعتیں سوائے شفع و وتر کے درمیانی قراءت سے پڑھنا
شروع کیا۔ پھر بعد چندے اس سے بھی اور تخفیف کے غرض سے رکعات
میں زیادتی کرکے قراءت میں اور مزید تخفیف کی اور چھتیس رکعتیں سوائے
وتر کے پڑھنا شروع کیا پھر اسی پر عمل چل پڑا۔ جیسا کہ محمد بن نصر نے داؤد بن قیس
سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں نے لوگوں کو ابان بن عثمان اور عمر بن
عبدالعزیز کے زمانے میں یعنے مدینہ پاک میں دیکھا کہ وہ چھتیس رکعتیں نماز
تراویح پڑھا کرتے تھے اور تین رکعتیں وتر کی۔ اور کہا امام مالک نے کہ یہ ہمارے
نزدیک عمل قدیم تھا اور نواب صدیق حسن خان نے امام قسطلانی سے نقل کرتے
ہوئے کہا کہ مدینہ والوں نے چھتیس رکعتیں اسلئے شروع کیا کہ انہوں نے اہل مکہ
کیساتھ مساوات کا ارادہ کیا تھا اس کے جوکہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں اور محمد
بن نصر نے قیام اللیل میں روایت کی کہ اہل مکہ نے جب تراویح پڑھنا شروع
کیا تو وہ ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ کا طواف سات دفعہ کرنے لگے مدینہ منورہ
کے لوگوں نے اہل مکہ کا یہ عمل اور ثواب دیکھ کر حصول ثواب کے اشتیاق
میں یہ ترکیب نکالی کہ چار رکعت تراویح کے بعد اور چار رکعت بغیر جماعت پڑھنی
شروع کیا تاکہ طواف کا قائم مقام ہوجائے کیونکہ مدینہ منورہ میں خانہ کعبہ
نہونے کے وجہ سے طواف کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی (العوذ باللہ) ایسے

جاہل نہیں تھے کہ روضۂ مبارک کا طواف جاری کرنے اور شرک میں مبتلا ہوجانے اور اسی بناء پر ولی بن العراقی نے اپنے والد ماجد کی حکایت نقل کی کہ جب وہ مدینہ منورہ کی ایک مسجد میں امام مقرر ہوئے تو انہوں نے ان کی سنت قدیمہ کو تازہ کیا۔ اور جو عمل اکثر لوگ کرتے تھے اسکی بھی رعایت کی اس طرح پر کہ تراویح حسب دستور بیس رکعتیں پڑھ لینے کے بعد آخر شب میں اٹھکر پھر مسجد میں سولہ رکعتیں پڑھتے تھے اور اسطرح انکو رمضان شریف میں جماعت کے ساتھ دو دفعہ ختم قرآن کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل جاری رہا اور وہ آج تک اسی پر عمل کر رہے ہیں۔ پس ہم بھی اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمکو بھی وہاں پہنچا کر ایسی ہی نماز اسی مقام میں ادا کرنا نصیب کرے اور امن و عافیت بخشے اس دعا اور نعمت اسلام کو اللہ تعالےٰ کے پاس ودیعت رکھتا ہوں۔ یہ امام قسطلانی کا کلام نواب صاحب نے نقل کیا۔ اور کہا امام شافعی نے کہ میں نے اہل مدینہ کو خاص مدینہ میں انتیس رکعتیں تراویح مع وتر کے پڑھتے ہوئے دیکھا اور اہل مکہ کو مکہ میں بیس رکعتیں اور اسمیں کوئی تنگی نہیں نہ اسمیں کوئی معین حد ہے جسپر انتہا ہو اسلئے کہ یہ نفل نماز ہے اگر لوگ چاہیں کہ قیام کو زیادہ کریں اور رکعات میں کمی کریں یعنے بیس ہی رکعات پڑھیں تو وہ بھی اچھا اور مجھے یہی پسند ہے اگر چاہیں تو رکعات میں زیادتی کریں اور قیام میں تخفیف کریں وہ بھی اچھا ہے۔ نقل کیا اسکو امام بیہقی نے معرفتہ السنن میں۔ اور کہا حلیمی نے کہ جو شخص اہل مدینہ کا اقتداء کرتے ہوئے چھتیس رکعتیں تراویح پڑھے تو اچھا ہے اسلئے کہ انہوں نے چھتیس رکعتیں پڑھنے سے اہل مکہ کی اقتداء کی تاکہ زیادہ فضیلت حاصل ہو نہ یہ کہ اہل مکہ سے رشک بازی تھی جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا اور کہا حلیمی نے کہ باوجود اسکے بیس رکعتوں ہی پر اکتفا کرنا اور اسی میں قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھ لینا جو کہ چھتیس میں پڑھ لیا جاوے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں دونوں فضیلتیں یعنے طول قیام اور کثرت سجود حاصل ہونگی اور کہا حنبلیوں نے کہ ہمارے نزدیک بھی تراویح بیس رکعتیں ہیں اور اس سے زیادہ میں بھی کوئی

حرج نہیں ہے کیونکہ امام احمد حنبل سے عدم ممانعت کی تصریح ہے ختم ہوا کلام
قسطلانی کا حدیث عمر بن الخطاب پر جو کہ نقل کیا نواب صاحب نے عون الباری میں
اور کہا امام ترمذی رح نے کہ اختلاف کیا اہل علم نے تراویح کی رکعتوں میں بعض علماء نے
اکتالیس رکعتیں مع وتر کے پڑھنا اختیار کیا اور یہی قول اہل مدینہ کا ہے چنانچہ اسی
پر انکا عمل ہو رہا ہے اور بہت سے علمائے بیس رکعتیں پڑھنا اختیار کیا ہے
اسلئے کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضا وغیرہ صحابہ سے منقول ہے کہ وہ بیس رکعتیں
تراویح پڑھا کرتے تھے اور یہی مذہب ہے سفیان ثوری اور ابن المبارک اور
امام شافعی رح کا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر یعنے مکہ
شریف میں لوگونکو بیس ہی رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا میں کہتا ہوں کہ یہ حضرت
امام ترمذی جو کہ محدثوں کے بڑے رتبہ کے امام ہیں تراویح کی تعداد رکعات میں اہل
حدیث یعنے محدثوں کے مذاہب نقل کرتے ہیں آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے
کہ کیا کسی محدث کا آٹھ رکعتیں اختیار کرنا بھی نقل کیا ہرگز نہیں یہ مقام
قابل غور ہے پس اگر حق جو اور حق شناس اسی پر تامل کریں تو تشفی
قلب کے لئے یہی کافی ہے۔ اور کہا علامہ عینی شارح بخاری نے کہا ابن عبدالبر
مالکی نے کہ روایت کی احارث بن عبدالرحمن بن ذباب نے سائب بن یزید سے
کہ انہوں نے کہا کہ نماز تراویح حضرت عمر کے زمانے میں تیس رکعتیں تھیں۔ اور
کہا ابن عبدالبر نے کہ یہ محمول ہے اس بات پر کہ تین رکعتیں وتر کی تھیں کہا
ہمارے استاد نے کہ ابن عبدالبر کا ان دو حدیثوں میں سے یہ مراد لینا صحیح
ہے اس دلیل سے جو کہ روایت کی محمد بن نصر نے یزید بن خصیفہ سے اور
انہوں نے روایت کی سائب بن یزید سے کہ لوگ نماز تراویح رمضان شریف
میں حضرت عمر کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اب رہا اثر حضرت علی
کا پس ذکر کیا امام وکیع نے حسن ابن صباح سے انہوں نے عمر بن قیس سے
انہوں نے ابی الحسناء سے انہوں نے حضرت علی رضا سے یہ کہ انہوں نے ایک شخص
کو امر کیا کہ لوگونکو نماز تراویح میں رکعتیں پڑھاؤ۔ اب رہا اثر اور صحابۂ کرام کا
پس ایک اثر مروی ہے۔ عبداللہ بن مسعود سے رضی اللہ عنہ جس کی روایت محمد بن

نصر مروزی نے اس طرح پر کی کہ کہا ہمکو خبر دی یحیےٰ بن یحیےٰ نے انہوں نے کہا کہ ہمکو خبر دی حفص بن غیاث نے انہوں نے روایت کی اعمش سے انہوں نے روایت کی زید بن وہب جہنی مخضرمی سے کہ بتحقیق انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہمکو رمضان شریف میں نماز تراویح اس طرح پر پڑھاتے تھے کہ جب اس سے فارغ ہوکر چلے جاتے تھے تو ابھی رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا۔ کہا اعمش نے کہ وہ بیس رکعتیں تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ ختم ہوا عینی کا کلام میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن مسعود وہ صاحب ہیں جنکے مناقب میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں میں سے زیادہ قریب ازروے سیرت کے اور ازروے چال چلن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبداللہ بن مسعود) تمام صحابہ میں سے زیادہ مقرب خدا کے نزدیک باعتبار رتبہ کے تھے (روایت کی اسکی امام ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے) اور تجھکو تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ خود انکو نماز تراویح بیس رکعتیں پڑھاتے تھے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ عدد انکے پاس خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ تھا۔ اسی وجہ سے اس پر خوب مداومت ومحافظت کیا کرتے تھے یہ بھی تجھکو معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے بھی ابی بن کعب کو بیس رکعتیں پڑھنے کا ارشاد فرمایا اور اسیطرح حضرت علی اور حضرت عثمان نے بیس رکعتیں پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے پس باقتضاے ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدا کرو میرے بعد میرے اصحاب میں سے ابوبکر اور عمر رضؓ کی اور طریقہ اختیار کرو عمار کا اور مضبوط پکڑو ابن مسعود کے عہد کو (روایت کی اسکی ترمذی نے) اور باقتضائے اس دوسرے ارشاد کے کہ لازم بنالو اپنے اوپر میری سنت کو اور خلفائے راشدین کی سنت کو جو کہ ہدایت یاب ہیں اور مضبوط پکڑو اسے کچلیوں سے (روایت کی اسکی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے) واجب ہوا تمام امت پر اقتدا کرنا انکے عمل کا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا اتباع تمام امت پر لازم کردیا۔ اور کہا عمر بن عبدالعزیز نے کہ بہت سے چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت مقرر کی اور بہت سی چیزیں آپ کے

بعد خلفائے راشدین نے سنت مقرر کی جستجو اختیار کرنا قرآن مجید کی تصدیق اور فرمان الٰہی کی اطاعت کرنا اور دین میں قوت حاصل کرنا ہے ہرگز کسی شخص کو اسمیں تغیر و تبدیل کرنا جایز نہیں ہے۔ اور جو شخص اسکی مخالفت کرے اسکی طرف دیکھنا بھی نہ چاہیئے اور جس شخص نے انکی سنت کی اقتداء کی تو وہ ہدایت یاب ہے اور جس نے انکی سنت سے مدد طلب کی وہ نصرت یاب ہے اور جس نے اسکی مخالفت کر کے مسلمانوں کے طریقہ کے بغیر اور کوئی طریقہ اختیار کیا تو اللہ تعالےٰ اُس سے بسبب اسکے اعراض کے اعراض کرتا ہے اور اسکو جہنم جو کہ نہایت بری جگہ ہے پہنچا دیتا ہے تمام ہوا کلام امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز کا جو کہ نقل کیا قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں اور کہا ابن الحاج نے صحابہ کی طرز پر تو بھی عمل کر اگر تجھے متابعت کا خیال ہے کیونکہ محب اپنے محبوب کا تابع ہوتا ہے صحابہ کرام خدا کی راہ میں ہمارے سردار اور ہمارے پیشوا ہیں پس ہم کو انکا اتباع کرنا چاہیئے اور قدم بقدم انکے پیچھے چلنا چاہیئے تاکہ اسکی برکت انکے تابعین پر عائد ہو اور صحابہ کرام کے اس عدد پر اتفاق و اجماع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس کا عدد ضرور انکے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ تھا تا اینکہ کسی ایک صحابی نے بھی اسپر اعتراض نہیں کیا بلکہ جو کوئی اس وقت صحابہ میں سے تمام عالم میں موجود تھا اُس نے اسی پر عمل کیا کیونکہ وہ سب یقیناً جانتے تھے کہ یہ بیشک سنت نبوی ہے اور اگر وہ اسکو خلاف سنت جانتے تو ضرور اسکی مخالفت کرتے اور ہرگز اسکو اختیار نہ کرتے اور اسپر ہرگز عمل نہ کرتے اور اس کا خلاف نقل نہیں کیا گیا کسی ایک صحابی سے بھی پس ثابت ہوا اور دلائل حقہ سے روشن ہوا کہ یہی عدد حق اور ثابت ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے پس جاہلوں کا یہ کہنا کہ بیس رکعتیں پڑھنا بدعت ہے محض جہل و گمراہی ہے اور حقیقت حال سے بے علمی اور نادانی ہے، اور کہا علامہ عینی نے شرح بخاری میں کہ تابعین میں سے بیس رکعتوں کے قایل شتیر بن شکل اور

ابن ابی ملیکہ اور حارث ہمدانی اور عطاء بن رباح اور ابو البختری طائی اور سعید بن ابی الحسن حسن بصری کے بھائی اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر اور عمران بن عبدی ہیں اور کہا ابن عبدالبر مالکی نے کہ بیس رکعتیں تراویح ہیں جمہور علماء کا مذہب ہے اور اسی کے قائل کوفہ کے علماء اور امام شافعی اور اکثر فقہا بھی ہیں اور یہی ابی ابن کعب سے بدون خلاف کسی صحابی کے مروی ہے۔ اور کہا علامہ شیخ ابن تیمیہ نے اپنے بعض فتاویٰ میں کہ تحقیق نفس قیام رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص عدد معین نہیں فرمایا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں تیرہ رکعتوں سے زیادتی یا کمی نہیں کرتے تھے رکعات طول کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پس جب حضرت عمر رض نے لوگوں کو ابی ابن کعب رض کے پیچھے جمع کیا تو وہ بیس رکعتیں تراویح اور تین رکعتیں وتر پڑھاتے تھے۔ اور وہ قراءت میں بقدرِ زیادتی رکعات کے کمی کرتے تھے ؛ اسلئے کہ ایسا کرنا مقتدیوں پر آسان ہوتا ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک رکعت میں طول دیا جاوے پھر ایک جماعت سلف صالحین میں سے چالیس رکعتیں تراویح اور تین رکعتیں وتر کی پڑھا کرتی تھی اور دوسری ایک جماعت چھبیس رکعتیں تراویح اور تین رکعتیں وتر پڑھا کرتی تھی۔ اور یہ عمل شائع ہے پس جو شخص جس طریقہ کو اختیار کرے وہ بہتر ہے لیکن افضلیت مقتدیوں کے احوال پر مبنی ہے اگر انہیں زیادہ قیام کرنے کی طاقت ہوگی تو پھر تیرہ رکعتاں بایں طور کہ دس رکعتیں تراویح کی اور تین وتر کی پڑھ لیں جس طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رمضان و غیر رمضان میں پڑھا کرتے تھے اور یہ افضل ہے اور اگر لوگوں میں اس قدر زیادہ قیام کرنے کی طاقت نہو پس بیس رکعتیں پڑھنا افضل ہے بلکہ یہ وہ طریقہ ہے جس پر اکثر اہل اسلام عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ طریقہ دس اور چالیس کے درمیان ہے۔ باوجود اسکے اگر کوئی شخص چالیس رکعتیں پڑھ لیا کرے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ کوئی عدد مکروہ نہیں اسلئے کہ امام

احمد بن حنبل وغیرہ نے اسکی صریح اجازت دی ہے اور جو شخص یہ کہے کہ نماز تراویح میں خاص کوئی عدد معین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جسپر زیادتی یا کمی کرنا جائز نہیں پس اُسنے صریح خطا کی ختم ہوا کلام ابن تیمیہ کا جسکو نواب صاحب نے نقل کیا تراویح کے بیس رکعت ہونے کے استدلال میں چنانچہ نواب صاحب اسکو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ کلام نہایت منصفانہ کلام اور تعصب واعتسافات بالکل خالی ہے اور نواب صاحب نے بعض شارحین صحیح بخاری کے کلام کو نقل کیا کہ تراویح میں مشہور ومعروف عدد جسپر جمہور علماء کا اتفاق ہے بیس رکعتیں ہیں جو کہ دس سلام اور پانچ ترویحہ سے ہیں کہ ہر ترویحہ چار رکعت اور دو سلام سے ہو سوائے وتر کے وہ تین رکعتیں ہیں (سبحان اللہ کس قدر تصریح فرماتے ہیں) اور سنن بیہقی میں بسند صحیح ہے (جیسا کہ ابن عراقی نے شرح تقریب میں کہا ہے) سائب بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام حضرت عمر کے زمانے میں رمضان شریف میں نماز تراویح میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور کہا حلیمی نے کہ بیس رکعتیں ہونے کی بھید یہ ہے۔

رکعتر ان الرواتب فی غیر رمضان عشر رکعات فضوعفت لانہ وقت جد و تشمیر انتہی کلام النواب ثم قال النواب رحمہ اللہ بعد ذلک وفہم مما سبق من انہا لعشر تسلیمات انہ لو صلاہا احد اربعا اربعا بتسلیمۃ لم یصح وبہ صرح الامام النووی فی الروضۃ تشبیہا بالغرض فی طلب الجماعۃ فلا تغیر عما ورد بخلاف نظیرہ سنۃ الظہر والعصر انتہی کلام النواب۔

کہ سنن رواتب جو کہ فرائض کیساتھ روزانہ ادا کئے جاتی ہیں وہ دس رکعتیں ہیں پس ماہ رمضان جونکہ زیادہ عبادت کرنیکا وقت ہے اسلئے اسمیں انہی رکعات کو دوچند کردیا گیا۔ ختم ہوا نواب صاحب کا کلام پھر اسکے بعد نواب

صاحب فرماتے ہیں کہ عبارت مذکور سے (کہ نماز تراویح دس سلام سے ہے) معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص چار چار رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھے تو صحیح نہیں ہوگا اور اسی کی تصریح امام نووی نے کی روضہ میں اسلئے کہ نماز تراویح کو طلب جماعت میں فرض یک گونہ شبیہ ہے پس اسکو تغیر نہیں دی جاسکتی ہے۔ بخلاف نظیر سنت ظہر وعصر کے تمام ہوا نواب صاحب کا کلام فاختناره عمر انتہی۔ یہ مقدمہ بھی صاحب امداد السنہ کے مسلمات میں سے ہے۔ چنانچہ امداد السنہ کے صفحہ ۴۸ میں لکھتے ہیں کہ تعین عدد رکعات نوافل چیزوں میں سے ہے کہ قیاس کو اسمیں دخل نہیں جس قدر شارع سے ثابت ہے زیادہ اور کمی اسپر روا نہیں انتہی اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے امر تراویح میں جو کچھ فرمایا وہ انکی ایجاد نہیں بلکہ مقتدیہ سنت ہے الحاصل جب یہ معلوم ہوا کہ بیس رکعت صحابہ کا پڑھنا بغیر سند کے نہ تھا۔ اور زیادت اور کمی عدد رکعات میں بدون سند کے نہیں ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ مضمون حدیث ابن عباس صحیح ہے فہو المراد والمقصود۔ اور اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ زیادت اور کمی رکعات کی وجہ تطویل وتخفیف قراءت نہیں ہے جیسا کہ بعض لکھتے ہیں گو یہ قول بعض متبرین کا بھی ہے مگر نظر دلیل قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس توجیہ کا مآل یہ ٹھہرتا ہے کہ زیادت اور کمی رکعات امر اختیاری تھا۔ جب چاہتے کم کرتے اور جب چاہتے زیادہ کرتے اور اوپر ثابت ہوا کہ زیادت اور کمی رکعات کی بغیر سند کے نہیں ہوسکتی پس وہ توجیہ جو بیہقی سے اوپر منقول ہوئی صحیح نہیں ہوسکتی حاصل کلام یہ ہے کہ تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا بدلائل متعددہ ثابت ہے کوئی اہل علم منصف مزاج نفس تراویح کی سنت مؤکدہ ہونے سے انکار نہیں کرسکتا کیونکہ قطع نظر مواظبت صحابہ کرام کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت حکمی تراویح پر پائی جاتی ہے یعنی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی روز تراویح پڑھ کر ترک کردی اور پھر جماعت نہیں پڑھی مگر یہ ترک کرنا بسبب عذر کے تھا اور ہم ثابت کرآئے ہیں کہ ایسا ترک کرنا مواظبت میں داخل ہے

باقی رہا بیس رکعت کا سنت موکدہ ہونا فعل صحابہ اور امر خلفاء سے تو ثابت ہی ہے اسمیں تو کسی کو کلام نہیں اور اگر انصاف اور غور کیا جاوے تو اس کا ثبوت درایۃً خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اگرچہ روایتہً ثبوت میں گفتگو ہو صحابہ کا بلا انکار اس عدد کو قبول کرلینا اور اسپر ہمیشگی کرنا نہایت قوی دلیل اثبات کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت کا ثبوت قولی یا فعلی ہے جب کہ اوپر بیان کیا گیا پس جب بیس رکعت کا ثبوت بطور درایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور صحابہ کرام کی مواظبت اس عدد پر پائی گئی تو بلا شک اس عدد کا سنت موکدہ ہونا ثابت ہوا اب اگر کوئی شخص بیس رکعت تراویح نہ پڑھے یا اسکے سنت ہونیکا اعتقاد نہ رکھے وہ بلاشبہ بدعتی گناہ گار ہے اہل اسلام کو اسمیں نہایت احتیاط چاہیئے جہاں تک ہو سکے اسکے جاری اور قائم رکھنے میں سعی کرتے رہیں یہ فعل شعائر اسلام میں سے ہے، جیسے عید کی نماز یا اذان ہے اور یہ وہ سنت ہے کہ مشرق سے لیکر مغرب تک تمام اہل سنت کا معمول بہ اور مختار رہا ہے اور سلف سے لیکر خلف تک تمام اکابر دین اسکو مانتے چلے آئے ہیں ایسے فعل کو ترک کرنا اور مخالف عمل اختیار کرنا غیر سبیل مومنین کا اتباع کرنا ہے ومن یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا ۔ ولیکن ھذا آخر ما کتبناہ فی ھذہ الرسالۃ وفیہ ایضا حالما فیہ الھدایۃ کفایۃ لمن تصدی تحقیق الحق فی ھذا الباب منصفا

ضمیمہ تحقیق خطبہ جمعہ میں

میں کہتا ہوں کہ ترجمہ کرنا خطبہ کو جمعہ کے روز سراسر خلاف سنت ہے اور مکروہ بلاشبہ ہے میں یہاں پر اہل ہلا کی جہالت دور کرنے کے لئے ایک شخص کا استفتاء اور ایک جلیل القدر عالم کا جواب پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے (استفتاء) بسم اللہ الرحمن الرحیم بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خطیب

پر واجب ہے کہ وہ خطبہ عربی کا ترجمہ کرے۔ اگرچہ کہ سامعینؓ بوجہ عجمی ہونے کے خطبہ عربی سارے یا بعض انہیں نہ سمجھتے ہوں اسلئے کہ خطبہ سے مراد و مقصود نصیحت اور تبلیغ احکام ہے نہ صرف سننا پس جب تک کہ لوگ اسکو نہ سمجھینگے ہرگز کوئی فائدہ وعظ نہ ہوگا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ اہل عرب کو وعظ فرماتے تھے اور وہ سب انکے کلام کو خوب سمجھتے تھے اسلئے وہ ترجمہ کیطرف ایسے محتاج نہیں تھے جیسے عجمی لوگ ہیں پس ترجمہ کرنے کا ایجاد خطبہ اسی حاجت کے پیدا ہونے کے لئے ہوتا ہے اور ترجمہ نہ کرنے کی صورت میں خطبہ کا مطلب فوت ہو جاتا ہے اور اس صورت میں خطبہ کا وجود عدم مساوی ہے اسلئے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں لہذا یہ کہ سکتا ہے خطبہ کا ترجمہ کرنا فرض ہے ایسا کہ بدون اسکے خطبہ درست نہیں ہوگا پس علمائے کرام بیان فرمادیں کہ کیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ الجواب: سب تعریف واسطے اللہ کے ہیں جو کہ تمام موجودات کا پالنے والا ہے اور سب درود رحمت تمام پیغمبروں کے سردار پر نازل ہوں۔ فرمایا اللہ تعالے نے۔ کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے انکے لئے ایسا دین مقرر کیا جسکی خدا نے اجازت نہیں دی۔ پس جو شخص کسی ایسی چیز کیطرف مائل ہو جاوے جس سے تقرب الی اللہ کرے بغیر اس بات کے کہ اللہ تعالے نے اس چیز کو مقرر کیا ہو پس اس شخص نے بھی وہی کام کیا جسکی اللہ تعالے نے اجازت نہیں دی اور بغیر اذن شارع کوئی کام کرنا ایک مشکل امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مجامع و محافل میں اپنی امت کو اس سے سخت ڈرایا ہے اور ایسے الفاظ فرمائے جو کہ قلیل اللفظ کثیر المعنے ہیں چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تھے تو آنکھیں انکی سرخ ہو جاتی تھیں اور آواز بلند ہو جاتی تھی اور غضب سخت ہوتا تھا کہ گویا ایک بڑی لشکر سے ڈراتے تھے یہ کہتے ہوئے صبح کو لشکر تمہر حملہ کریگی یا شام کو اور فرماتے تھے کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجے ہوئے ہیں اور

دو انگلیوں یعنے شہادت کی انگلی اور منجلی انگلی کو ملاتے تھے اور امابعد فرماکر
فرماتے تھے کہ بتحقیق بہترین کلام قرآن مجید ہے اور بہترین طریق حضرت محمد
کا طریقہ ہے اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور امام
نسائی کی روایت میں ہر بدعت جہنم میں ہے اور امام نسائی کی دوسری روایت
میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ اور وہ نبی کریم سے روایت کرتی ہیں کہ جو
شخص عمل کرے ایسا عمل کہ ہمارا حکم اسپر نازل نہیں تو وہ عمل
مردود ہے، اور لفظ صحیحین میں یوں کہ جو شخص ہمارے دین میں ایسا کام
ایجاد کرے جو کہ دین میں نہو تو وہ مردود ہے اور ایک حدیث صحیح میں ہے
جس کی روایت اہل سنن نے عرباض بن ساریہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم سے کی کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے پس وہ
ضرور بہت سے اختلافات دیکھیگا۔ تو اس صورت میں تم لازمی بنالو میری سنتکو اور
خلفائے راشدین کی سنتکو جو میرے بعد ہونگے اور مضبوط پکڑو اُسے کچلیوں
سے۔ اور دُور ہو بدعت کے کاموں سے اسلئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور
اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جمعہ یا عید کے روز خطبہ عربی زبان کے سوا اور
کسی زبان میں پڑھنا یا کسی عجمی زبان میں اس کا ترجمہ کرنا محدثات الامور
یعنے بدعت کے کاموں میں سے ہے جسکو خدا جانے کن لوگوں نے خیر القرون
کے بغیر نقل کرنے کسی علمی مضمون کے ایجاد کیا ہے اور اس بدعت کا عذر انہوں
نے پیدا ہونا مقتضی کا اور لاحق ہونا ضرورت کا بیان کیا اور وہ مقتضی اور
حاجت سامعین خطبہ کا زبان عربی سے انجان اور ناسمجھ ہونا ہے اور ایسے ہی عجمی
لوگونکا کثرت سے موجود ہونا جو کہ عربی زبان جاننے سے بالکل قاصر ہیں لیکن
اگر وہ لوگ جانتے کہ یہ عذر (جو کہ بدتر از گناہ ہے) نہیں ہے مگر ہمارے ہی کوتاہی
کرنے کی وجہ سے اس زبان کے سیکھنے میں ہے جسمیں ہمارے معبود سے ہماری دینی
کتاب نازل ہوئی تھی اور جس زبان کو لیکر ہمارے پیغمبر بھیجے گئے ہیں پس
ہماری کوتاہی کرنے سے بدعت کی ہلاکت کی جگہ میں اتارا حالانکہ صحابہ کرام باوجود

اسکے کہ انکو تعلیم احکام اور نصیحت و وعظ اور ہدایت خلق اللہ کرنے کی شدت
ضرورت تھی اور انکی مجالس میں ایسے عجمی لوگ ایکحرف بھی عربی نہ سمجھتے تھے خصوصا
جب بلاد عجم مثل فارس و روم پر انکا قبضہ ہوا لیکن با این ہمہ انسے خطبہ کسی غیر
زبان میں پڑھنا یا سامعین کے سمجھانے کے لئے ترجمہ کرنا کہیں منقول نہیں ہے نہ یہ
منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو اثناء خطبہ میں ترجمہ کرنیکا امر کیا پس جب یہ
ثابت ہوا کہ انمیں سے کوئی صاحب نہ عجمی زبان خطبہ پڑھتا تھا نہ اس کا
ترجمہ کرتا تھا نہ دوسرے کسی شخصکو ترجمہ کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ تو پھر ان کا
اسی وہمی مصلحت و فضیلت کا ترک کرنا اس بات کا مستلزم ہے کہ طریق تبلیغ
احکام دین نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا (نعوذ باللہ منہ) نہ خیر القرون
کو اور اسباب کا کہ انہوں نے بعض لوگوں سے (جو کہ عربی زبان سے ناواقف تھے)
وہی پوشیدہ رکھکر تبلیغ احکام میں جو کہ مقصود اصلی ہے خطبہ میں سے کوتاہی کی۔
اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ دونوں باتیں دور ہیں آنحضرت اور خیر القرون سے
از روے شرح اور از روے عادت کے پس قابل غور یہ بات ہے کہ صحابہ
کرام کا باوجود مقتضی ہونے کے یعنے عام طور پر سامعین کو تبلیغ و تعلیم کرنا اور کوئی
مانع نہ ہونے کے ترجمہ کرنا نہیں تھا مگر صرف اسباب کو مکروہ جاننے کے وجہ
سے کہ کوئی شخص عادت نہ ڈالے کسی اور زبانی کی سوائے عربی زبان کے جو کہ
شعار اسلام بھی ہے اور لغت قرآن بھی ہے الحاصل پس ترجمہ کرنا خطبہ کا
بدترین امور بدعات میں سے ہے ہرگز خدا اور رسول خدا اسپر راضی نہیں ہے
اسی وجہ سے علمائے اسلام نے عربی زبان میں خطبہ پڑھنا خطبہ کے صحیح ہوجانے
کا شرط بنادیا ہے کہ اسی صورت میں سنت ادا ہوسکتی ہے چنانچہ محدث مشہور
حضرت امام نووی نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ خطبہ جمعہ وغیرہ میں شرط ہے کہ
وہ عربی زبان میں ہو اور حضرت احمد بن عبد الرحیم یعنے حضرت شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی مصفی شرح موطاء میں فرماتے ہیں کہ جب ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور
خلفائے راشدین کے خطبات کو دیکھا تو اسکی چھان بین انکے خطبات میں

حمد خداوند برتر کا ہونا اور ذکر شہادتین اور درود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا۔
اور تقوی و پرہیزگاری کا امر کرنا اور تلاوت آیۂ کریم اور مسلمین ومسلمات کے لئے دعا
کرنا اور خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ہے اور اسکی دلیل یہ فرمایا کہ خطبہ کا عربی زبان سے
ہونا ہے اور اسکی دلیل یہ فرمایا کہ خطبہ کا عربی زبان ہوتا اسلئے ضروری ہے کہ
تمام اہل اسلام کا عمل شرقاً و غرباً اسی پر ہوتا چلا آیا ہے باوجود آنکہ
بہت سے اقالیم میں مخاطبین عجمی ہوتے تھے۔ اور عجمی لوگ خطبہ کے معنی کو
آج کل بھی نہیں سمجھتے ہیں جس طرح وہ ابتدائے اسلام میں نہیں سمجھتے تھے پھر
باوجود اسکے خطیب صاحبان اور موذن صاحبان اور نمازی لوگ اس بات کی
طرف محتاج نہ ہونے کہ انکو عربی زبان کو ساتھ ساتھ ترجمہ کر کے سمجھائیں اور نہ اس
بات کیطرف کہ انکو انکی زبان میں بیان کرنے سے بے نیاز کرتے بلکہ عجمیوں نے
عربی زبان سیکھنے کی عادت ڈالی تاکہ اللہ تعالے دین محمدی کو تمام ادیان
پر غلبہ دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔ اور خطبہ عربی کو عجمی زبان
میں ترجمہ کرنا دوسری ایک خرابی ہے کہ اس سے خطبہ میں بہت طوالت ہوتی ہے
جس سے لوگ پریشان ہوتے ہیں اور وہ ایسی بات ہے کہ جس سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ پر سخت غضبناک ہوئے ایسے غضبناک
کہ کسی موقعہ پر ایسے غضبناک نہیں ہوئے اور بہت تیز الفاظ میں اس سے
زجر کی اور روایت کی امام مسلم نے حضرت جابر رض سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی نماز اور خطبہ بالکل متوسط ہوتا تھا اور روایت کی امام مسلم نے حضرت
عمار سے کہ انہوں نے کہا کہ میں سنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے
ہوئے کہ بتحقیق کسی شخص کا نماز لمبی پڑھنا اور خطبہ مختصر پڑھنا اسکی دانشمندی
پر دلالت کرتا ہے پس اے لوگو نماز کو لمبی پڑھا کرو اور خطبہ کو مختصر کرو پس
یہ امر ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مختصر پڑھنے کا۔ اور کسی ایماندار
مرد کو گنجائش نہیں کہ جب اسکو پیغمبر اس کا کسی کام کا حکم دے یہ کہ پیچھے
ہٹ جاوے اور اس کو اس کام میں کوئی اختیار ہو۔ امام مالک نے یحیی بن

سعید سے روایت کی کہ بیشک عبداللہ بن مسعود نے ایک شخص سے کہا
کہ تم ایک ایسے زمانے میں ہو جسمیں فقہا بہت ہیں اور قاری لوگ کم
ہیں۔ حفاظت کیجاتی ہے، احکام مقررہ قرآن کی۔ اور چھوڑ دئے جاتے
ہیں اس کے الفاظ وحروف اور سوال کرنے والے کم ہیں اور عطاو بخشش
کرنے والے بہت ہیں نماز کو لمبی پڑھتے ہیں اور خطبہ کو مختصر کرتے ہیں۔ اور
عمل کو اپنی خواہش پر مقدم کرتے ہیں۔ اور عنقریب لوگوں پر ایسا
ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اسمیں فقہا بہت کم ہونگے اور قاری لوگ
بہت ہونگے اور قرآن مجید کے الفاظ وحروف کی بہت محافظت کیجائیگی
اور احکام مقررہ قرآنی ضائع کئے جائینگے اور سوال کرنے والے بہت ہونگے
اور عطاو بخشش کرنے والے کم ہونگے اور خطبہ بہت لمبا پڑھینگے اور نماز
بالکل مختصر اور خواہشات نفسانی کو عمل پر مقدم کرینگے اور کوئی شک وشبہ
اسمیں نہیں کہ سوائے عربی زبان کے اور کسی زبان میں سارا یا کچھ حصہ خطبہ
کا پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے اسلئے کہ صدر اول یعنے صحابہ کرام سے
باوجود ضرورت واحتیاج کے خطبہ کا ترجمہ کرنا منقول نہیں خصوصًا جبکہ
بلاد عجم مفتوح ہو کر تمام ملکوں میں اسلام شائع ہوا۔ اور اگر کوئی شخص یہ
شبہہ کرے کہ جب سامعین کو خطبہ سمجھ میں نہ آئے تو پھر کیا فائدہ ہوا تو جواب
اس کا یہ ہے کہ سامعین کا نہ سمجھنا خطبہ کے مسنون طریقہ کو ہرگز تغیر نہیں دے
سکتا ہے بلکہ اُن پر لازم ہے کہ عربی زبانکو بقدر ضرورت سیکھ لیں
کیونکہ دین سیکھنا فرض ہے اور ہمارا دین قرآن وحدیث ہے وہ عربی میں
ہے۔ لہذا عربی سیکھنا فرض ہوا چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمر رض
نے فرمایا سیکھا عربی زبان کو اسلئے کہ وہ تمہارے امور دینیہ میں سے ہے
اور روایت کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے عمر بن یزید سے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت
عمر نے ابوموسی کیطرف ایک خط لکھا اس میں یہ لکھا کہ اما بعد پس سیکھو سنتکو
اور سیکھو عربی زبان کو اور اعراب قرآن کو کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے
اور روایت کی سلفی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلعم

نے کہ جو شخص اچھی طرح عربی زبان میں کلام کر سکتا ہو پس وہ
ہرگز عجمی زبان میں کلام نہ کرے کیونکہ وہ مورث نفاق ہے پس حکم
یہ ہے کہ جب تک کہ لوگ عربی زبان نہ سیکھینگے تب تک انکو خطبہ
سننا اور چھپ چھاپ رہنا کافی ہے۔ ترجمہ سنانا خلاف سنت ہے،
چنانچہ مولینا عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ مجھ سے بار ہا بار
اس مسئلہ سے سوال کیا گیا تو میں نے جواب دیا کہ امام ابو حنیفہ کے
نزدیک گو مطلقاً جائز ہے لیکن کراہت سے بھی خالی نہیں پس معارضہ
کیا اسپر میرے بعض عزیزوں نے بایں طور کہ خطبہ نہیں مقرر کیا گیا مگر حاضرین
کے سنبھالنے اور سمجھانے کے لئے۔ اور وہ بات عربی زبان میں خطبہ پڑھنے
سے بعض عجمی ملکوں میں بہ نسبت اکثر حاضرین کے حاصل نہیں ہوتی ہے
پس ضرور بلا کراہت جائز ہونا چاہیئے۔ تو میں نے جواب دیا کہ کراہت
صرف بوجہ مخالفت سنت کے ہے۔ اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور
انکے اصحاب نے ہمیشہ خطبہ عربی زبان میں پڑھا ہے، اور کسی ایک سے
بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے خطبہ جمعہ کے علاوہ بھی کوئی خطبہ
غیر عربی میں پڑھا ہو۔ پھر اعتراض کرنے لگا کہ اس زمانے میں اور ان
شہروں عربی زبانکو بدلنے کی طرف حاجت نہیں تھی اسلئے کہ حاضرین سب
کے سب عرب ہوتے تھے اور انکی زبان عربی ہوتی تھی۔ لیکن ان عجمی
شہروں میں وہ بات نہیں انمیں تبدیل لغت عربی کیطرف سخت حاجت
ہے۔ پھر میں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں
بہت سے لوگ فارس اور روم اور حبش کے جمع ہوتے تھے باوجود اس کے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تبدیل خطبہ نہیں فرمایا نہ کبھی کسی دوسرے شخص
کو اسکی تعلیم و تجویز کی اور یہ بات معلوم ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت لوگ
ایسے ہوتے تھے جو کہ مطلقاً عربی نہیں سمجھتے تھے، اور بعض ایسے بھی ہوتے
تھے کہ جنکو بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں اگرچہ کچھ کچھ سمجھ لیتے
تھے، اور بیشک وارد ہوا کہ نبی کریم صلعم جبکہ فارغ ہوئے خطبہ سے ایک

روزِ عید میں تو خیال فرمایا کہ شاید اس خطبہ کی آواز عورتوں کے کانوں تک بوجہ دور ہونے کے نہیں پہنچی ہوگی تو آپ عورتوں کے پاس جاکر انکو وعظ اور خطبہ سنایا۔ اور یہ بات کسی ضعیف حدیث میں بھی وارد نہیں ہوئی کہ آپ علیہ السلام نے کبھی کوئی خاص مجلس ان لوگوں کے لئے جو عربی زبان نہ سمجھتے تھے منعقد فرمائی تاکہ انکو انکی زبان میں وعظ اور خطبہ سناتے اور یہ وہم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عجمی زبان جانتے نہ تھے اور اگر وہ جانتے تو ضرور انکو انہی کی زبان میں سناتے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ اولاً یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی ہے پھر بھی اگر بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے تو بھی صحابہ کرام میں بہت سے اصحاب عجمی زبان جانتے تھے جیسے حضرت زید بن ثابت انہوں نے عجمی رومی اور حبشی وغیرہ زبانیں سکھلی تھی چنانچہ اسکی تصریح کتاب الاعلام بسیرۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کتب میں موجود ہے پس انمیں سے کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر نہیں کیا کہ عجمی لوگوں کو انکی زبان میں خطبہ یا وعظ سنائے۔ و بالجملہ پس غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنی کی ضرورت و حاجت عجمیوں کو سمجھانے کے لئے قرون ثلاثہ میں بھی موجود تھی۔ لیکن باوجود اسکے کسی نے کسی سے یہ نقل نہیں کیا کہ اس زمانہ میں کسی نے خطبہ میں ترجمہ پڑھا۔ یہ اس امر کی مکروہیت کی پہلے دلیل ہے۔ اور سنئے دوسرے الفاظوں میں کہ خطبہ فارسی یا اور کسی زبان میں سوائے زبان عربی کے پڑھنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کا ادنی درجہ کراہت ہوتا ہے پس خطبہ ترجمہ کرنا کراہت سے خالی نہوگا۔ اور اسکے بدعت ہونیکی دلیل یہ ہے کہ قرون ثلاثہ میں باوجود ضرورت و حاجت کے یہ کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور انکو کوئی چیز اس سے روکنے والی بھی نہیں تھی اسلئے وہ حضرات عجمی زبانوں میں بولنے پر قادر تھے۔ پس جب آنحضرت کے عہد برکت مہد مقتضی موجود اور مانع مفقود تھا

باوجود اسکے آپ نے ایسا نہیں کیا نہ کسکو ایسا کرنیکا ارشاد فرمایا تو معلوم ہوا اسمیں ہرگز کوئی مفید مصلحت نہیں ہے بلکہ یہ سراسر بدعت سیئہ ہے۔ جب تم نے یہ جان لیا تو ہم کہتے ہیں کہ خطبہ کسی غیر عربی زبان میں پڑھنا جسکو اسی زمانے کے بعض لوگوں نے ایجاد کیا اور اسکے اچھا ہونیکا اعتقاد رکھا اس کا باعث عجمی لوگوں کا عربی زبان نہ سمجھنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ باعث در وقت شریف آنحضرت بھی موجود تھا، اور اگر بالفرض اسمیں کسی کو شک ہو تو صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانے میں ہونے میں کوئی شبہ نہیں خاص کر جب دور دراز بڑے بڑے شہروں کی فتح ہوئی اور اکثر حبشی اور رومی اور عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوکر جمعہ اور عیدین کی مجالس میں حاضر ہونے تھے اور انمیں سے اکثر لوگ عربی زبان نہیں جانتے تھے اور باوجود اس کے بھی کسی صحابی نے انکو انکی زبان میں خطبہ نہیں سنایا پس جب اس زمانے میں بھی باعث اور سبب موجود تھا اور کسی مانع اور تکاسل کا مفقود ہو یقینی امر ہے پس کوئی چیز سوائے کراہت کے باقی نہ رہی جسکا ادنےٰ درجہ گمراہی ہے اور حل اس مقام کا جس سے الزام پورا ہو جاتا ہے اس طرح بیان پر ہے کہ جس طرح خطبہ تعلیم کے لئے ہے اور خطیبوں اور علماء کو تفہیم اور سمجھانیکا امر کیا گیا ہے۔ تو اسیطرح جاہلوں اور بے علموں کو طلب علم اور دین سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے طلب علم فرض ہے ہر مسلمان پر اسکی روایت ابن عدی اور بیہقی نے حضرت انس سے رضہ اور خطیب نے حضرت حسین بن علی سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے اور جبکہ ہماری اکثر شریعت عربی میں ہے تو تمام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ عربی زبان کو بقدر حاجت ضرور سیکھیں۔ اسلئے کہ جس چیز سے کوئی واجب پورا ہو جاتا ہے تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔ یہیں سے علمائے نے تصریح کی کہ صرف ونحو وغیرہ مبادی علوم

میں سے اس قدر سمجھنا جس سے شریعت میں ضرورت رفع ہو واجب ہے،
پس اگر حاضرین کو عربی خطبہ سمجھ میں نہ آوے تو اسکے نہ سمجھنے کا الزام
انہی پر عائد ہے نہ خطباء پر۔ اور خطیبوں پر یہ لازم اور ضروری نہیں کہ وہ
عربی زبان کو تغیر دیکر جہلاء کو انکی زبان میں سمجھاوے۔ میں کہتا ہوں کہ
اسمیں کوئی شک نہیں کہ خطبہ میں مقصود اصلی وعظ و نصیحت ہے، لیکن یہ
کیونکر ہم تسلیم کر سکیں کہ وعظ و نصیحت عربی زبان سے بغیر ترجمہ کے نہیں
ہو سکتا ہے جبکہ سامعین عربی نہ سمجھتے ہوں۔ حالانکہ خداوند کریم قرآن
کریم کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کردیا ہے (یعنے
آسان کردیا ہے نصیحت کرنے اور نصیحت لینے کے لئے) لیکن نصیحت لینے والا بھی ہو
اور فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو تیری زبان (عربی) میں آسان کردیا ہے
اسلئے کہ وہ لوگ اسکو یاد رکھ کر اس سے نصیحت لیں۔ قابل غور
بات ہے کہ لفظ انما عربی زبان میں حصر کا فائدہ بخشتا ہے جیسا کہ
علم معانی و بیان میں محقق ہے پس آیہ کریمہ کے معنے یہ ہو لئے کہ ہم نے
اس قرآن کو سہل نہیں کیا مگر تیری ہی زبان (عربی) میں دوسری آیت
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن اُسی کا اُتارا ہوا ہے۔ جو سارے جہاں کا
مالک ہے اسکو سچی امانندار روح یعنے جبرئیل لیکر تیرے دل پر
اترا ہے۔ تاکہ صاف عربی زبان میں لوگوں کو خدا کی عذاب سے ڈرائے (
یعنے تاکہ تو ان پیغمبروں میں سے ہو جنہوں نے عربی زبان میں لوگوں کو خدا سے
ڈرایا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا عذاب آلہی سے خاص اہل
عرب ہی کو نہیں تھا بلکہ وہ جمیع مخلوقات کو عرب و عجم کو تھا۔ جیسا کہ
اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے ہمارا پیغمبر بھیجا ہم نے تجھکو تمام لوگوں کے طرف۔
دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے تجھکو تمام لوگوں کیطرف رسول
بنا کر بھیجا۔ اللہ کی گواہی تیری پیغمبری پر بس کرتی ہے۔ پھر ایک دوسری آیت
میں فرماتا ہے کہ بڑی برکت والا وہ خدا جس نے اپنے بندے (حضرت محمدؐ) پر

قرآن اتارا اسلئے کہ وہ سارے جہانکو ڈرانے والا ہو یعنے اولین و آخرین جن و انسان کو اسی سے انکی رسالت و نبوت عامہ ثابت ہوئی۔ اور ایک آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہی خدا ہے جس نے عرب کے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں کا ایک پیغمبر بھیجا وہ انکو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے، اور انکو شرک اور کفر کی گندگی سے پاک کرتا ہے اور انکو اللہ تعالےٰ کی کتاب اور دانائی اور عقلمندی کی باتیں سکھلاتا ہے اور وہ لوگ اس پیغمبر کے آنے سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور اللہ تعالےٰ نے اس پیغمبر کو دوسرے لوگوں کیطرف بھی بھیجا ہے۔ جو ابھی ان لوگوں سے نہیں ملے (دوسرے لوگوں سے مراد تمام جہان کے لوگ ہیں جو قیامت تک پیدا ہونگے اسلئے کہ آپ کی دعوت قیامت تک تمام لوگوں کو عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ نبوت و رسالت اور بشارت و نذارت کو انکی ذات مبارکہ سے ختم کیا ہے لیکن وہ انکی رسالت بواسطہ انکے خلیفوں اور نائبوں اور وارثوں یعنے علماء کے قیامت تک باقی ہے اور ہر عالم عامل آپ کی طرف سے تبلیغ احکام دین کر رہا ہے۔ اور نائب کو ہرگز یہ بات جائز نہیں کہ منیب کے کلام کو اپنے کلام سے بدل دے بلکہ اسپر واجب ہے کہ تمام امور اصل و فرع میں آپ ہی کا اتباع کرے۔ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ خطیبوں پر لازم ہے کہ وہ کسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ شریفہ اور طرز عمل کا خلاف امت محمدیہ کے جمعہ اور عیدوں کے خطبوں کو ترجمہ کرنے سے ہرگز نہ کریں اور اس کام کو کرنا بدعت سیئہ میں سے جانیں اسلئے کہ یہ کام سراسر سنت کے خلاف ہے۔ اور اسکی نظیر خیر القرون یعنے صحابہ و تابعین میں کہیں نہیں ہے۔ اور اس بات کو اچھی طرح سمجھیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہی عذاب الٰہی سے بچانیوالی ہے۔ اور بخواہش نفس عبادات میں کوئی نئی بات نکالنا ہلاک کردینی والی ہے، اور کس قدر تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ جنکو

اپنا جہل اتباع ہوی کیطرف راستہ دکھاتا ہے صلوۃ تراویح میں بیس رکعتیں پڑھنے سے اعراض کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ سنت موکدہ متقدمین سے لیکر متاخرین تک متوارث ہے جب کہ ہم نے نوی دلیلوں یعنے احادیث و آثار صحیحہ سے ثابت کردیا ہے اور خطبہ کو ترجمہ کرتے ہیں حالانکہ وہ سراسر بدعت سیئہ ہے محض ایجاد بندہ ہے نہ اسکی دلیل قرون ثلاثہ میں پائی جاتی ہے نہ اسکا ثبوت محدثین و مجتہدین کے یہاں ملتا ہے جیسا کہ ہم نے بدلائل ثابت کیا ہے پس میں ان لوگوں کو از روئے خیر خواہی کے اللہ سے ڈرنے اور جہالت کو ترک کرنے۔ اور سلف صالحین کی پیروی کرنے کی وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ تمام خیرات الہی کے اتباع میں ہے جب کہ اللہ تعالی فرماتا ہے اور جنھوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی (یعنی صحابہ کی) پیروی کی اللہ تعالے ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالے سے راضی ہوئے اس میں سارے مسلمان قیامت کے دن تک داخل ہیں جو کہ صحابہ کے طریق پر عمل پیرا ہیں +

(ختم شد)

DATE LABEL

بارِ اوّل ـــــــــــــــ ۱۹۸۰ء

بار دوم ـــــــــــــــ ۱۹۸۹ء

تعداد بار اول ـــــــــــــــ ۵۰۰۰

تعداد بار دوم ـــــــــــــــ ۱۰۰۰

مطبوعہ

سلطانیہ پرنٹنگ پریس سری نگر

کتابت ـــــــــــــــ شریف رقم

ملنے کا پتہ :-

- مکتبہ فیض دیوبند
- غلام نبی شاہ
عمر کالونی (بی)، لال بازار سری نگر

پبلشر :-

قیمت فی جلد :- 13



